ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

اکتوبر ۲۰۱۷ء



اشاعت کا ۶۵ واں سال

یادگار: شہید پاکستان حکیم محمد سعید

ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

صدر مجلس
سعدیہ راشد

مدیر اعلا
مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۱۰ | جلد ۶۵ | اکتوبر ۲۰۱۷ عیسوی

محرم الحرام ۱۴۳۸ ہجری

قیمت عام شمارہ
۳۵ رُپے

سالانہ (عام ڈاک سے)
۳۸۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے)
۵۰۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر)
۳۴۰ رُپے

سالانہ (غیر ممالک سے)
۵۰- امریکی ڈالر

ٹیلے فون ——— 36620945 سے 36620949
36616001 سے 36616004
ایکسٹینشن ——— (052 یا 066)
ٹیلے فیکس نمبر ——— (92-021) 36611755
ای میل ——— hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ——— www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) ——— www.hamdard.com.pk
ویب سائٹ ادارۂ سعید ——— www.hakimsaid.info
فیس بک پیج ——— www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابل قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد

شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

جب ہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یاد کرتے ہیں اور ان کی عظمت اور بڑائی کو بیان کرتے ہیں تو ہم اصل میں اس عظیم اور اعلا مقصد کو یاد کرتے ہیں، جس کے لیے انھوں نے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جانیں تک قربان کر دیں اور شہادت کے بلند مقام پر فائز ہوئے۔

وہ عظیم مقصد کیا ہے؟ وہ ہے اسلام۔ اسلام کے اُصولوں کو زندہ رکھنے کے لیے حضرت امام حسینؓ نے یہ قربانی دی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بھلائی کے لیے جو نظام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے بتایا تھا، اس کی خلاف ورزی ہوتے دیکھ کر حضرت امام حسینؓ نے سوچا کہ اگر میں اس وقت خاموش رہوں تو گویا میں نے اس غلط طریقے کو قبول کر لیا، جو قائم کیا جا رہا ہے۔

اسلام کا اصول یہ ہے کہ قیادت اور حکومت کے منصب پر صرف وہی شخص یا اشخاص فائز ہو سکتے ہیں جو نیک ہوں، متقی ہوں، اہل ہوں اور جن کے اخلاق اور کردار پر لوگ بھروسا کرتے ہوں۔ باپ کے بعد بیٹا اگر اس معیار پر پورا نہیں اُترتا تو اس کو خلافت کے عہدے پر ہرگز فائز نہیں کیا جانا چاہیے۔

حضرت امام حسینؓ نے اپنی جان قربان کر کے اس اصول کی گواہی دی اور اس اصول کی سچائی ثابت کی۔ شہادت کے معنی ہیں گواہی۔ گواہی دینے والے کو شہید کہتے ہیں۔ شہید مرتے نہیں، ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اگر حضرت امام حسینؓ اپنی شہادت سے اسلام کا اصول خلافت واضح نہ فرماتے تو لوگ ہمیشہ کے لیے یہی سمجھنے لگتے کہ باپ کے بعد بیٹے ہی کو خلافت ملنی چاہیے، چاہے وہ اہل اور نیک ہو یا نہ ہو۔

(ہمدرد نونہال جون ۱۹۹۵ء سے لیا گیا)

پہلی بات

سلیم فرخی

اس مہینے کا خیال:
مایوسی انسان کی صلاحیتوں کو گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔ مسعود احمد برکاتی

نونہالو! اکتوبر ۲۰۱۷ء کا شمارہ پڑھیے اور اپنی سچی رائے کا اظہار ضرور کیجیے۔

اکتوبر عیسوی مہینا ہے، جب کہ اسلامی مہینا محرم الحرام ہے۔ مختلف قوموں نے اپنا حساب رکھنے کے لیے ایک تاریخ مقرر کر لی ہے، جو کسی خاص واقعے یا شخصیت کی یاد دلاتی ہے، مثلاً سنہ عیسوی حضرت عیسیٰؑ سے منسوب ہے۔ ہندوؤں کا سنہ بکرمی کہلاتا ہے۔ یہ راجا بکر ماجیت (اصل نام چندر گپت، ثانی) کی یاد میں رائج ہوا۔ بکرمی سنہ، حضرت عیسیٰؑ سے ۵۷ سال پہلے شروع ہوا تھا۔ اسلامی سال یکم محرم سے شروع ہوتا ہے، جسے سنہ ہجری کہتے ہیں، کیوں کہ یہ سنہ اس اہم اسلامی واقعے سے منسوب ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی۔ سنہ ہجری کے آغاز کے وقت عیسوی تاریخ ۱۶- جولائی تھی اور سنہ ۶۲۲ تھا۔ عیسوی سنہ کی بنیاد شمسی نظام پر ہے، جب کہ سنہ ہجری قمری نظام پر قائم ہے۔ ۱۰- محرم سنہ ۶۱ ہجری کو کربلا کا المناک سانحہ پیش آیا، جو اسلامی تاریخ کا سب سے دردناک واقعہ ہے۔

سنہ ہجری کا تعین حضرت عمرؓ نے یکم محرم سے کیا تھا اور ان کی شہادت بھی یکم محرم کو ہوئی تھی۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص مغیرہ بن شعبہ کے ایک مجوسی غلام ''ابولولو'' (اصل نام پیروز) نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ میں اپنا علاحدہ کام کرتا ہوں، لیکن چوں کہ آقا کی غلامی میں ہوں، اس لیے وہ مجھ سے دو درہم روز مانگتا ہے۔ یہ رقم زیادہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، کیا کام کرتے ہو؟ اس نے بتایا، لوہار ہوں، بڑھئی اور نقاشی کا کام بھی کرتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا، ان پیشوں کے مقابلے میں دو درہم زیادہ تو نہیں ہیں۔ اس بات پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ ۲۷ ذوالحج ۲۳ھ (بدھ) کو وہ فجر کی نماز میں زہر آلود خنجر چھپا کر صف میں کھڑا ہو گیا اور دورانِ نماز صف سے نکل کر خنجر سے حضرت عمرؓ پر چھے کاری وار کیے۔ وہ نماز پڑھا رہے تھے، زخمی ہو کر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔ کچھ لوگ حملہ آور کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھے تو اس نے انھیں بھی زخمی کر دیا، پھر بھی اسے پکڑ لیا گیا، لیکن موقع ملتے ہی اس نے خودکشی کر لی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز مکمل کرائی۔ حضرت عمرؓ کو جب ذرا ہوش آیا تو پوچھا، میرا قاتل کون ہے؟ نام بتایا گیا تو انھوں نے کہا، الحمدللہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے۔ چوتھے روز یکم محرم ۲۴ھ (سنہ ۶۴۴ عیسوی) ہفتے کے روز وہ شہید ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کی اجازت سے حضور اکرمؐ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔

اکتوبر کا مہینا پاکستان سے محبت کرنے والی دو عظیم شخصیات شہیدِ ملت لیاقت علی خاں اور شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کی بھی یاد دلاتا ہے۔ لیاقت علی خاں نے اتحاد اور طاقت کی علامت کے طور پر اپنا مُکا دکھایا تھا۔ قوم میں اتحاد اور طاقت تب ہی پیدا ہو سکتی ہے، جب معاشرتی بُرائیاں دور کی جائیں۔ شہید حکیم محمد سعید ان ہی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے نونہالوں کو تیار کر رہے تھے۔ وہ نئی نسل میں تربیت کے ذریعے سے اعلا اخلاق و کردار اور وطن سے محبت پیدا کر رہے تھے، تا کہ وہ سچے اور اچھے پاکستانی بنیں۔ انھوں نے نونہال ادب کے تحت انتہائی کم قیمت پر کتابیں تقسیم کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور نونہالوں کے لیے ''نونہال اسمبلی'' کے نام سے ایک پلیٹ فارم قائم کر دیا۔ یہ سلسلہ محترمہ سعدیہ راشد کی نگرانی میں اب بھی جاری ہے اور ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ ☆

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک آدمی اپنے اخلاق سے وہی درجہ حاصل کر لیتا ہے، جو ایک عبادت گزار پوری رات عبادت کر کے حاصل کرتا ہے۔

مرسلہ : سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادخان

حضرت ابو بکر صدیقؓ

جس پر نصیحت اثر نہ کرے، اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔ مرسلہ : علی احمد دین پوری، رحیم یار خان

شیخ سعدیؒ

میٹھی زبان دشمنوں کی تعداد کو کم کر دیتی ہے۔

مرسلہ : محمد رضا، میٹرو ویل

خلیل جبران

کانٹوں سے نچنے والی انگلیاں، پھولوں کی نرمی کو محسوس نہیں کر سکتیں۔ مرسلہ: محمد عبدالعماض، لائنز ایریا

سرسید احمد خاں

دل کو مردہ کرنے والی ایک بیماری خوشامد ہے۔

مرسلہ : محمد عمر بن عبدالرشید، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف چلنے میں کبھی فائدہ نہیں ہوتا۔

مرسلہ : سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

گوتم بدھ

نفرت کو نفرت سے نہیں، محبت سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

مرسلہ : عبدالجبار رومی انصاری، لاہور

افلاطون

علم کی طلب سے شرم مناسب نہیں، جہالت زیادہ باعثِ شرم ہے۔ مرسلہ: تحریم ابراہیم احمدانی، سانگھڑ

سقراط

اچھی بات جو بھی کہے، غور سے سنو۔

مرسلہ : عمارہ خرم، ایف بی ایریا

ایمرسن

کامیابی کا سب سے بڑا راز خود اعتمادی ہے۔

مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

☆☆☆

حمدِ باری تعالیٰ

شریف شیوہؔ

پیارا پیارا ، اچھا اچھا ہے خدا — پاک سب عیبوں سے یکتا ہے خدا
اس کی قدرت کے نشاں چاروں طرف — ہے وہ پوشیدہ ، عیاں چاروں طرف
کون گن سکتا ہے اس کی نعمتیں — ناپی جائیں کس سے اس کی عظمتیں
رائی سے پربت تلک اس کی نظر — سارے بھیدوں کی اُسی کو ہے خبر
اس نے انساں کو بنا کر خاک سے — کردیا اس کو بلند افلاک سے
آنکھ کے تِل میں سمیٹے آسماں — ذرّے کے دل میں کرے سورج نہاں
جو ارادہ وہ کرے ، ہوتا ہے وہ — کھاتا ہے ، پیتا ہے ، نہ سوتا ہے وہ
دونوں عالم میں سما سکتا نہیں — اس کی حد کوئی بتا سکتا نہیں
خاک سے انسان جو پیدا کیا — کردی ہے کاری گری کی انتہا
روتی آنکھیں اور دل ٹوٹے ہوئے — محترم اس کی نظر میں ہیں بڑے
پانی ، بادل ، برق اور بادِ صبا — کیا ہے جو اُس نے نہیں پیدا کیا
دیکھیے ، تو آنکھ سے وہ دور ہے — سوچیے تو اُس سے جاں بھر پور ہے
اس قدر طاقت کا مالک اور کریم — میرے مولا! واقعی تُو ہے عظیم
ہم کہاں جاتے نہ کرتا گر معاف — کون کرتا نامۂ اعمال صاف
اللہ اللہ اس کی رحمت کی یہ شان — ستر ماؤں سے زیادہ مہربان

سر پہ شیوہؔ جب سے اُس کا ہاتھ ہے
میرے دل سے دور غم کی رات ہے!

نئے اسلامی سال کی دعا

حکیم خان حکیم

نیا سال یا رب! بہار آفریں ہو!
مسرت سے روشن ہر اک کی جبیں ہو
وطن میرا امن و سکوں کی زمیں ہو
پریشان اس کا نہ کوئی مکیں ہو
کبھی دل کسی کا دکھائے نہ کوئی
کبھی خون کسی کا بہائے نہ کوئی
میسّر ہو انصاف سب کو الٰہی!
کسی کے لبوں پر بھی ہو نہ دہائی
ہوں اہلِ وطن سارے خوش حال یارب!
نظر آئے کوئی نہ بدحال یارب!
دلوں میں محبت کی شمع جلا دے
ہمیں ایک دوجے کا بھائی بنا دے

سچی کہانی

مسعود احمد برکاتی

> انسان اگر محنت کرے اور ارادے کا پکا ہو تو کوئی مشکل
> اس کا راستہ نہیں روک سکتی اور وہ ترقی کے آسمان پر پہنچ سکتا ہے

وہ دو برس کا تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ وہ اب یتیم تھا، لیکن ماں کا سایہ اس کے سر پر تھا۔ ماں بڑی سمجھ دار اور ہمت والی تھیں۔ ان کا ایک اور بیٹا بھی تھا جس کی عمر ۱۳ برس تھی۔ ماں نے دونوں کو باپ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ دونوں کی تربیت بڑی خوبی سے کی۔

دو سالہ بچے کا نام محمد سعید تھا اور بڑے بیٹے کا نام عبدالحمید۔ عبدالحمید بھی بہت نیک اور سمجھ دار تھے۔ انھوں نے باپ کی شروع کی ہوئی دواؤں کی دکان کو بھی خوب سنبھالا، چھوٹے بھائی کو تعلیم بھی دلوائی اور تربیت بھی بہت اچھی کی۔ ماں اور بڑے بھائی کی نگرانی میں محمد سعید نے سب سے پہلے قرآن شریف پڑھا اور ۵ برس کی عمر میں قرآن ناظرہ ختم کیا۔ ۹ برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ وہ اسکول میں داخل نہیں ہو سکا، لیکن گھر پر ہی ماسٹر محمد اقبال حسین صاحب (جو بعد میں حکیم اقبال حسین ہوئے) اور ماسٹر ممتاز حسین صاحب سے اردو، انگریزی پڑھی۔ عربی، فارسی مولانا قاضی سجاد حسین صاحب سے پڑھی۔ پھر طب کی تعلیم طبیہ کالج نئی دہلی میں حاصل کی۔ اب یہ ۲۰ برس کا نوجوان تھا اور اس کو اب حکیم محمد سعید کہتے تھے۔

اب حکیم محمد سعید بڑے بھائی حکیم عبدالحمید کے ساتھ ہمدرد دواخانہ میں کام کرنے لگے۔ مریضوں کو بھی دیکھتے اور دواؤں کی تجارت بھی کرتے۔ کاروبار خوب ترقی کرنے

لگا۔ ہمدرد دواخانہ مشہور ہو گیا۔

۱۹۴۷ء میں ہندستان کو آزادی مل گئی اور مسلمانوں کا اپنا ملک پاکستان بن گیا۔ نوجوان حکیم محمد سعید کو پاکستان بننے کی بڑی خوشی ہوئی۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ حکیم محمد سعید نے فیصلہ کیا کہ وہ ہندستان میں نہیں رہیں گے اور پاکستان جا کر مسلمانوں کے اس ملک کی خدمت کریں گے۔ وہ ۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو پاکستان پہنچ گئے۔ انھوں نے کراچی میں پچاس رپے مہینے کرائے پر ایک کمرا لیا۔ اس میں ۱۲ رپے مہینے پر کرائے کا فرنیچر جمایا۔ حکمت بھی شروع کر دی اور ان کی نگرانی میں دوائیں بھی بننے لگیں۔ حکیم محمد سعید کی محنت اور ذہانت سے ہمدرد کی دوائیں خوب مقبول ہونے اور بکنے لگیں۔ چند برس ہی میں انھوں نے ناظم آباد کراچی میں دوائیں بنانے کا ایک بڑا کارخانہ بھی قائم کر لیا۔ اب تو ہمدرد اور حکیم محمد سعید کی شہرت دور دور پھیل چکی تھی، لیکن انھوں نے ہمدرد کا تنہا مالک بننے کے بجائے اس کی آمدنی کو قوم کی تعلیم اور صحت کے کاموں کے لیے وقف کر دیا۔ یہ ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔

اسی سال انھوں نے بچوں کے لیے ایک پیارا پیارا رسالہ ہمدرد نونہال جاری کیا۔ اس کو بنانے، سنوارنے کی خدمت میرے سپرد کی۔ رسالہ ہمدرد صحت جو دہلی سے نکلتا تھا، وہ حکیم صاحب کراچی سے نکالنے لگے اور کتابیں بھی لکھنی شروع کیں۔ دوسرے ملکوں میں بھی جا جا کر دیکھنا شروع کیا کہ وہاں عوام کی صحت کے لیے کیا کیا اور کیسے کیسے کام ہو رہے ہیں۔ ان معلومات کی روشنی میں پاکستان میں بھی عوام کی خدمت شروع کی۔ حکیم صاحب اچھے اچھے کام کرنے کے عادی تھے اور اس کے لیے اپنی ساری قابلیت اور محنت صرف کرتے تھے۔

حکیم محمد سعید نے ایک بہت اچھا اور بڑا اسکول قائم کیا۔ ہمدرد پبلک اسکول نام

رکھا۔ ۱۹۵۸ء میں وہ طب کی تعلیم کے لیے جامعہ طبیہ شرقیہ (ہمدرد طبی کالج) قائم کر چکے تھے۔ جہاں سے تعلیم پا کر حکیم نکلنے لگے اور طب مشرقی کو فروغ دینے لگے۔ پھر حکیم صاحب نے ایک اور بہت بڑا قدم اُٹھایا۔ اعلا تعلیم کے لیے ہمدرد یونی ورسٹی قائم کر دی۔ یہ بڑے دل اور بڑی ہمت کا کام تھا۔ آج ہمدرد یونی ورسٹی پاکستان کی چند اچھی یونی ورسٹیوں میں ہے اور اس کا بڑا نام ہے۔

حکیم محمد سعید نے صحت، اخلاق اور تعلیم کو پھیلانے کے لیے بہت سے کارنامے انجام دیے۔ ان کو نونہالوں سے بڑی محبت تھی، اس لیے انھوں نے رسالہ ہمدرد نونہال اور ہمدرد پبلک اسکول کے علاوہ ہمدرد نونہال اسمبلی بھی شروع کی اور ایک شعبہ بچوں کی کتابیں شائع کرنے کے لیے نونہال ادب کے نام سے قائم کیا اور خود بھی سو سے اوپر کتابیں نونہالوں کے لیے لکھیں۔

حکیم محمد سعید نے بڑوں کے لیے بھی اردو اور انگریزی میں عمدہ عمدہ کتابیں لکھیں۔ انھوں نے دوسرے ملکوں کے بے شمار سفر کیے اور سفرنامے لکھے۔ وہ بڑی توجہ اور ہمدردی سے مریضوں کو دیکھتے تھے۔ ہر مہینے پاکستان کے چار بڑے شہروں میں مطب کرتے تھے۔ وہ پاکستان کے وزیر بھی رہے اور سندھ کے گورنر بھی، لیکن انھوں نے مریضوں کا علاج کرنا کبھی نہ چھوڑا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں پچاس لاکھ سے زیادہ مریض دیکھے ہوں گے۔ اپنی شہادت کے وقت بھی وہ مریضوں کو دیکھنے ہی مطب پہنچے تھے، لیکن ظالموں کو انسانیت کی خدمت کرنے والا یہ خوب صورت انسان پسند نہ تھا۔ ان ظالموں نے اپنی گولیوں سے قوم کا دل چھلنی کر دیا۔

(ہمدرد نونہال خاص نمبر اکتوبر ۱۹۹۹ء سے لیا گیا)

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ باتیں

مرسلہ : تہذیب شاہد، جہلم

راستی : سچائی پر ہمیشہ قائم رہو، سچائی میں نجات ہے۔

امانت داری : جس میں امانت داری نہیں، اس میں ایمان نہیں۔

پرہیزگاری : اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والا وہ ہے، جو بُرائیوں سے سب سے زیادہ پرہیز کرتا ہے۔

سادگی : اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے عیش پسند نہیں ہوتے۔

رحم دلی : تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

سلام : سلام کرنے میں پہل کرو، خواہ تم اسے جانتے ہو یا نہیں۔

بچپن وہ ہے جب

مرسلہ : حلیمہ صابر، ہری پور

☆ ہم رو کر اپنی بات منوالیں۔

☆ دو اُنگلیاں ملانے سے پھر سے دوستی ہو جائے۔

☆ سوئچ کو آن آف کے درمیان روک دیں۔

☆ مٹی کا گھر بنائیں اور گرا دیں۔

☆ پھل کا بیج اس ڈر سے نہ کھائیں کہ کہیں پیٹ میں درخت نہ اُگ جائے۔

☆ جب دوستوں سے مل کر باغ سے پھل توڑ کر بھاگ جائیں۔

☆ عید پر ضد کر کے عیدی مانگیں۔

بچپن صرف بچپن ہے جو لوٹ کے نہیں آتا، تو لطف لیجیے اپنے حسین بچپن کا اور یادگار بنا دیں۔

یہ تاریخ

مرسلہ : محمد رضا، کراچی

تاریخ میں اس ''نپولین'' کا نام تو سنہری لفظوں میں لکھا ہوا ہے اور بچہ بچہ اس کے نام سے واقف ہے، جس کے سر پر تقریباً تیس لاکھ بے گناہ لوگوں کے قتل کی ذمے داری عائد ہے، لیکن ایک عظیم انسان ''لوئی پاسچر'' کا نام کم ہی لوگ جانتے ہیں، جس نے کتے کے کاٹنے کا علاج دریافت کر کے اس کے ٹیکے ایجاد کیے اور کروڑوں انسانوں کی قیمتی جانوں کو بچایا۔

شجر کاری

شاعر : انور مسعود

پسند : مہک اکرم، لیاقت آباد

اس وقت مرے ہاتھ میں پودوں کی ہیں قلمیں
تُو بھی تو مرا ہاتھ بٹانے کے لیے آ
برسات کا موسم ہے شجر کاری کا موسم
آ تُو بھی کوئی پیڑ لگانے کے لیے آ

کل کہاں تھے؟

مرسلہ : جاوید گوریچہ، اسلام آباد

ایک شخص کو صبح دیر سے اُٹھنے کی عادت تھی۔ اسی وجہ سے وہ کئی مرتبہ تاخیر سے اپنے دفتر پہنچا۔ جس کی وجہ سے افسر سے ڈانٹ پڑتی تھی۔ تنگ آ کر وہ ڈاکٹر کے پاس گیا، جس نے اس کو ایک گولی رات کو کھانے کو دی۔ وہ رات کی گولی کھا کر سو گیا۔ صبح وہ بالکل ٹھیک وقت پر اُٹھا، تیار ہوا اور دفتر پہنچا۔ اس نے بڑے فخر سے اپنے بڑے افسر کو بتایا کہ آج وہ بالکل ٹھیک وقت پر آیا ہے۔ اس کا بڑا افسر بولا: ''ہاں! وہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہ بتاؤ، کل کیوں نہیں آئے تھے؟''

جواب کا سوال

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

بوائے اسکاؤٹس کا ایک گروپ جنگل میں کیمپ لگائے ہوئے تھا۔ تفریح کے طور پر

انھوں نے آپس میں طے کیا کہ اگر کوئی لڑکا ایسا سوال پوچھے گا، جس کا جواب اسے خود بھی نہیں معلوم ہو تو وہ سارے گروپ کو کھانا کھلائے گا۔

ایک لڑکے نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ''جب گلہری زمین میں بل کھودتی ہے تو اس کے اپنے منھ پر مٹی کیوں نہیں پڑی نظر نہیں آتی؟''

سب نے اپنے اپنے اندازے ظاہر کیے، مگر ٹھیک جواب دینے میں سب ناکام رہے۔ تب اس لڑکے سے کہا گیا کہ خود وہ اپنے سوال کا جواب دے۔

لڑکا اطمینان سے بولا: ''گلہری اصل میں دوسرے سرے سے بل کھودنا شروع کرتی ہے۔''

''لیکن وہ دوسرے سرے تک کیسے پہنچتی ہے؟'' ایک لڑکے نے بے اختیار پوچھا۔

''یہ تمھارا سوال ہے۔ اس کا جواب تمھیں دینا ہے۔ میں نے اپنے حصے کے سوال کا جواب دے دیا۔'' لڑکے نے پہلے سے بھی زیادہ اطمینان سے کہا۔

غریب کی فریاد

تحریر : اقبال خورشید

انتخاب : تحریم خان، نارتھ کراچی

''صاحب! میرا بچہ بیمار ہے، کچھ مدد کرو۔''

صبح صبح یہ جملے سیٹھ کو ناگوار گزرے۔ اس نے چائے کے کپ سے سر اُٹھایا: ''شرم کرو، ہٹے کٹے ہو کر بھیک مانگتے ہو!''

آدمی کی آنکھوں میں نمی تیر گئی: ''بھکاری نہیں ہوں صاحب! رکشا چلاتا ہوں۔''

سیٹھ نے جھنجلا کر کہا: ''تو جاؤ، رکشا چلاؤ، میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔''

''رکشے کی آمدنی سے بیٹے کا علاج ممکن نہیں۔''

سیٹھ کا پیمانہ لبریز ہو گیا: ''تو بھائی!

اپنا ایک گردہ بیچ دو۔''

آدمی کی آواز رندھی ہوئی تھی:
''صاحب! ایک گردہ تو...... پہلے ہی بیچ چکا ہوں۔''

سیٹھ پر کپکپی طاری ہوگئی، چاے چھلک کر کپڑوں پر گرگئی۔

ریاضی کا کھیل

مرسلہ : سمیعہ توقیر، کراچی

''۱۰۱۰۱'' (دس ہزار ایک سو ایک) ایسے حیران کن اعداد ہیں کہ آپ ایک سے ننانوے تک کسی بھی عدد کو ان اعداد سے ضرب دیں تو اس کا درست جواب تین بار لکھا ہوگا۔ مثلاً آپ کی عمر ۱۰ سال ہے تو آپ ۱۰۱۰۱ کو ۱۰ سے پھر ضرب دیں تو اس کا جواب ۱۰۱۰۱۰ آئے گا، یعنی تین مرتبہ ۱۰۔ اسی قاعدے کے مطابق آپ ایک سے ننانوے تک تمام اعداد کا جواب نکال سکتے ہیں۔

باتیں

مرسلہ : محمد حمزہ سہیل، جگہ نامعلوم

دفتر میں کام کرنے والے ایک کلرک رضا کی آواز ویسے ہی کافی اونچی تھی اور جب وہ فون پر کسی سے ناراض ہوتے یا بحث میں اُلجھتے تو اور بھی زیادہ زور زور سے چلّانے لگتے۔

ایک روز رضا صاحب اسی طرح چلّا رہے تھے۔ آواز جنرل منیجر کے کمرے میں پہنچ گئی۔ انھوں نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا اور پوچھا: ''یہ کون صاحب چلّا رہے ہیں؟''

''سر! یہ رضا صاحب اپنے بیٹے سے بات کر رہے ہیں۔'' چپراسی نے بتایا۔

''تو رضا صاحب فون کیوں نہیں استعمال کرتے؟ آخر ہم نے فون کس لیے لگوائے ہیں؟'' جنرل منیجر غصے سے بولے۔

☆☆☆

چوری

انتخاب : تحریم خان

میں جب طبیہ کالج دہلی میں داخلے کے لیے لے جایا گیا تو جناب رجسٹرار (حکیم مولوی عبدالحفیظ صاحب) نے صاف انکار کر دیا کہ کالج میں داخلے کی یہ عمر نہیں، مگر جب اصرار بڑھا اور درخواست موثر ہوئی تو ٹیسٹ ہوا۔ عربی بھی کافی تھی، فارسی بھی خوب تھی اور اردو تو خیر اچھی تھی ہی، داخلہ ہو گیا۔ طبیہ کالج میں دو دوست بنے۔ محمد احسن عباسی (جو بعد میں کراچی میونسپل کارپوریشن کے میئر ہوئے اور پاکستان کے سفیر بھی) دوسرے دوست جناب پیر غلام محی الدین مجددی۔ یہ دوست سے زیادہ بزرگ محسوس ہوا کرتے (ان کے ہزار ہا مرید سندھ میں ہیں) پیر صاحب کے پاس ایک ناخن تراش تھا۔ خوب تھا، بڑا انوکھا، کسی مرید نے نذر کیا تھا۔ میرا اصرار تھا کہ جناب غلام محی الدین صاحب یہ ناخن تراش میری نذر کر دیں، مگر پیر صاحب بھلا کب ماننے والے تھے۔ جب میں اصرار کرتا، بچہ سمجھ کر ٹال دیتے۔ ٹالتے رہے، ٹالتے رہے۔ میں ان کو نوٹس دیتا رہا کہ دیکھیے! اگر مجھے آپ نے نہ دیا تو میں اسے چُرا لوں گا، مگر مولانا تالے قفل سے چوکنا رہتے تھے۔ آخر ایک دن میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ محمد احسن عباسی صاحب کو ہم راز بنایا اور ایک دن جب کہ پیر صاحب کلاس میں تھے، ہم ان کے کمرے میں گئے الماری کی کنڈی کے اسکرو کھولے، الماری کھولی، ناخن تراش چُرا لیا۔ الماری کا چھپکا دوبارہ فٹ کر دیا۔

چوری کا بڑا چرچا ہوا۔ نہ میں نے بتایا اور نہ بھائی احسن نے راز افشا کیا۔ یہاں تک کہ طبیہ کالج کی تعلیم ختم ہوئی۔ بھائی احسن اور پیر غلام محی الدین کراچی اور ٹنڈو جام سدھارے۔ پاکستان بنا میں بھی پاکستان آیا۔ ان دوستوں سے ملاقاتیں رہیں، مگر ناخن تراش کا راز، راز ہی رہا۔



حادثہ یہ پیش آیا کہ ۱۹۴۷ء میں دلی میں نمبر دس دریا گنج لوٹ لی گئی۔ مکان کے ساتھ میرا سامان بھی سب کا سب شرنارتھی (علاقہ پاکستان سے ہندستان جانے والے لوگ) اُٹھا کر لے گئے اور اس میں وہ چوری کیا ہوا ناخن تراش بھی لُٹ گیا۔

۱۹۵۶ء میں جب میں یورپ کا دورہ کر رہا تھا تو روم (اٹلی) میں ایک دکان پر دیکھا کہ بالکل ویسا ہی، عین مین وہی ناخن تراش رکھا ہے۔ میں نے فوراً خرید لیا اور پاکستان لے آیا۔ یہ میں نے ایک خط کے ساتھ عالی مرتبت جناب حکیم پیر غلام محی الدین مجدّدی سرہندی کی خدمتِ اقدس میں بھجوا دیا۔ اس خط میں میں نے اپنی شرارت اور اپنی ۱۹۳۶ء کی چوری کا اعتراف کیا اور بڑے ادب کے ساتھ معذرت بھی چاہی۔

نکتہ یہ ہے کہ جناب حکیم محمد احسن صاحب نے راز افشا نہیں کیا اور جناب محترم حکیم پیر غلام محی الدین صاحب نے میری شرارت کو معاف کر دیا، مگر میں جب غور کرتا ہوں تو ایسا شرمندہ ہوتا ہوں اور نادم ہوتا ہوں کہ بیان سے باہر، چوری واقعی بُرائی ہے۔

ایسی شرارت کسی طرح بھی اچھی نہیں ہو سکتی۔ اب جب بھی اس شرارت پر غور کرتا ہوں تو پانی پانی ہو جاتا ہوں اور ساری عمر میں اپنی اس غلطی کو یاد رکھوں گا اور شرم سار رہوں گا۔ ☆

یہ بات تو ہے

احمد ندیم قاسمی



قیامِ پاکستان سے پہلے قصبہ میانوالی میں ایک ڈاکٹر صاحب، سردار بشن سنگھ (ایم۔ بی۔ بی۔ ایس) نام کے تھے۔ ان کے علاج کا طریقہ بہت دل چسپ تھا۔ مثلاً ان کے پاس ایک مریض آیا۔ ڈاکٹر نے اس کی زبان دیکھی، نبض محسوس کی۔ اس کے منھ میں تھرمامیٹر ڈالا اور فیصلہ سنایا کہ تمھیں سخت بخار ہے۔

مریض بولا: ''ڈاکٹر صاحب! میں تو آپ کی خدمت میں یہ بتانے حاضر ہوا تھا کہ میرے ایک پاؤں میں موچ آ گئی ہے۔ اس کا کیا علاج کروں؟''

تب ڈاکٹر اور مریض کے درمیان یہ مکالمہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر: ''تم پاؤں کی موچ لیے بیٹھے ہو اور ہم کہتے ہیں کہ تمھیں بخار ہے۔ ہم ڈاکٹر ہیں اور جب ہم کہتے ہیں کہ تمھیں بخار ہے تو تمھیں بخار ہونا چاہیے!''

مریض: ''اچھا ڈاکٹر صاحب! ہو گا بخار، پھر کیا کروں؟''

ڈاکٹر: ''کونین کی اِکٹھا چار گولیاں کھالو۔''

مریض: ''مگر ڈاکٹر صاحب! کونین تو بہت کڑوی ہوتی ہے!''

ڈاکٹر: ''کڑوی تو ہوتی ہے۔ یہ بات تو ہے۔''

مریض: ''پھر ساتھ ہی دودھ پی لوں؟''

ڈاکٹر: ''ہاں، ہاں۔ پی لو۔ دودھ پی لو۔''

مریض: ''مگر ڈاکٹر صاحب! دودھ تو قابض ہوتا ہے!''

ڈاکٹر: ''ہاں، دودھ قابض تو ہوتا ہے۔ یہ بات تو ہے۔''

مریض: ''تو پھر ساتھ ہی کوئی شربت نہ پی لوں؟''

ڈاکٹر: ''ہاں ہاں، پی لو، شربت پی لو۔''

مریض: ''مگر ڈاکٹر صاحب! میں نے سنا ہے کہ جب بخار ہو رہا ہو تو شربت نہیں پینا چاہیے!''

ڈاکٹر: ''ہاں بخار میں شربت نہیں پینا چاہیے۔ یہ بات تو ہے۔''

مریض: ''تو پھر کوئی پھل، یعنی کیلا اور سیب اور تربوز وغیرہ نہ کھالوں؟''

ڈاکٹر: ''ہاں، ہاں کیلا اور سیب اور تربوز کھالو، کھالو۔''

مریض: ''لیکن اس طرح تو میرا معدہ خراب ہو جائے گا ڈاکٹر صاحب!''

ڈاکٹر: ''معدہ تو خراب ہو جائے گا۔ یہ بات تو ہے۔''

مریض (تنگ آ کر): ''ڈاکٹر صاحب! میں زہر نہ کھالوں؟''

ڈاکٹر: ''ہاں، ہاں۔ کھالو، زہر کھالو۔''

مریض: ''مگر ڈاکٹر صاحب! زہر کھانے سے تو آدمی مرجاتا ہے؟''

ڈاکٹر: ''ہاں، ہاں۔ زہر سے آدمی مرتو جاتا ہے۔ یہ بات تو ہے۔''

☆☆☆

غربت کا شکار

جاوید اقبال



ایک دن ہمیں پڑوسی ملک سے اپنے ایک شکاری دوست کا خط ملا۔ خط میں اس نے شیروں کے ایک آدم خور جوڑے کے بارے میں لکھا تھا۔ اس جوڑے نے وہاں دہشت پھیلائی ہوئی تھی۔ اب تک چھے دیہاتی مرد اور عورتیں اس کا نشانہ بن چکے تھے۔ ہمارے دوست نے ہمیں جلد از جلد وہاں پہنچنے کی تاکید کی تھی۔

ہمارا یہ دوست کئی شکاری مہمات میں ہمارے ساتھ رہا تھا۔ پھر ایک ٹریفک حادثے میں وہ اپنا ایک بازو اور ٹانگ گنوا بیٹھا۔ چوں کہ اب وہ خود تو اپنی معذوری کی وجہ سے شکار نہیں کر سکتا، اس لیے اس نے ان آدم خور درندوں کو مارنے کے لیے ہمیں بلایا تھا۔

یہ خط پڑھ کر ہم اپنے دوست سے ملنے کو بے چین ہو گئے۔ ہمیں شکار کیے ہوئے بھی

بہت دن ہو گئے تھے۔ اس لیے ہم نے جلدی سے تیاری کر لی اور تیسرے دن ہی ٹرین میں سوار ہو کر ایک لمبے سفر کے بعد شام کو اپنے دوست کے گاؤں پہنچے۔

ہمارا دوست ہمارے استقبال کے لیے موجود تھا۔ وہ دلیر شکاری جس نے درجنوں خونخوار درندوں کو مارا تھا۔ کئی بار شیروں سے دو بدو لڑائی کی تھی، اب بیسا کھیوں کے سہارے چلنے پر مجبور تھا۔ اپنے دوست کو اس حال میں دیکھ کر ہمارا دل بھر آیا۔

ایک رات اور آدھا دن تو پرانی یادوں کو تازہ کرنے میں گزر گیا۔ سہ پہر ہوئی ہم نے اپنے دوست سے کہا کہ وہ ہمیں درندوں کا ٹھکانا دکھا دے ایسا نہ ہو یہ درندے کوئی اور جانی نقصان کر دیں۔ ہمارا دوست ہمیں ایک قریبی گاؤں لے گیا۔ یہ جنگل کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جو اس وقت ویرانے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اِکا دُکا کسان کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ ہمارے دوست نے بتایا کہ یہاں پر سرکاری کارندے بھی ان درندوں کا شکار کرنے آئے تھے، مگر نہ جانے وہ اب تک کیوں نہیں مارے گئے۔ ہمارے ہاتھوں میں بندوقیں دیکھ کر لوگ ہمارے گرد اِکٹھے ہو گئے۔ ہم نے انھیں تسلی دی کہ وہ بے فکر ہو جائیں یہ درندے اب ہم سے بچ نہیں سکتے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم اس جگہ پہنچے، جہاں ان درندوں کا ٹھکانا تھا۔ گھنے درختوں کے بیچ ایک کھوہ نما جگہ تھی۔ میں نے اپنے تجربے کی بنا پر اندازہ لگا لیا کہ شیروں کا ٹھکانہ اسی جگہ ہو سکتا ہے۔ میرا خیال درست نکلا۔ خونخوار درندوں نے یہیں اپنا مسکن بنا رکھا تھا۔ انسان یا جانور کو مار کر وہ اسے اس کھوہ میں گھسیٹ لاتے اور پھر اطمینان سے اسے کھاتے۔

ہم نے مچان بنانے کے لیے درخت کا انتخاب کیا، جہاں سے ہمیں کھوہ اور ندی کو جانے والی پگڈنڈی نظر آ رہی تھی۔ یوں درندے پانی پینے نکلتے یا ہمارے باندھے ہوئے

جانور کو کھانے آتے وہ ہمارے نشانے پر ہوتے۔ اپنے دوست کو ہم نے ایک بچھڑے کا انتظام کرنے کو کہا اور جنگل کے باہر اپنا کیمپ لگا لیا۔

مچان بنانے کا مرحلہ آیا تو مقامی مزدوروں نے جنگل میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ چناں چہ ہمیں خود ہی مچان بنانی پڑی۔ مچان اتنی بڑی تھی کہ ہم تینوں دوست آسانی سے اس پر بیٹھ سکتے تھے۔ دن ڈھلتے ہی بچھڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا گیا۔ ہم مچان پر بیٹھ کر شام کا انتظار کرنے لگے۔ شام ہوتے ہی جنگل میں خاموشی چھا گئی۔ اس کے ساتھ ہی مچھروں نے ہم پر ہلہ بول دیا۔ ہم نے اپنے ہاتھوں اور چہرے پر مچھر بھگانے والا لوشن مَل لیا۔ پھر تھرموس سے گرم گرم چائے نکال کر پی اور چست ہو کر بیٹھ گئے۔ چاند کبھی بادلوں کی اوٹ میں چھپ جاتا، کبھی اس کی چاندنی میں پتے چمکنے لگتے۔

اچانک چارے کے لیے باندھا ہوا بچھڑا اُٹھ کھڑا ہوا اور رسی تڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ ہم ایک دم چوکنے ہو گئے۔ شیر تو ابھی اپنی کچھار سے نکلا نہیں تھے یہ یقیناً کوئی دوسرا جانور تھا جو بچھڑے کی بُو پا کر اِدھر آ نکلا تھا۔ پھر جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور ہم نے کسی کو جھاڑیوں سے نکلتے دیکھا۔

''ارے یہ تو کوئی انسان ہے۔'' ایک کے منھ سے نکلا۔ واقعی یہ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے دھوتی اور بنیان پہنی ہوئی تھی اور وہ اس طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا، جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ ہمارا ایک دوست کسی احتیاط کا خیال کیے بغیر بندوق لے کر درخت سے اُترا اور بجلی کی طرح اس پر جھپٹا۔ اس نے ایک ہاتھ آدمی کے منھ پر رکھا اور اسے پیٹھ پر اُٹھا لایا۔ شکار کا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا۔ ہم اس بوڑھے کو اپنے کیمپ میں لے آئے۔ حلیے سے وہ بہت غریب معلوم ہوتا تھا وہ خود کو چھڑانے کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ جیسے ہی ہمارے

دوست نے اس کے منھ سے ہاتھ ہٹایا وہ غصے سے بولا: ''تم نے مجھے کیوں پکڑا ہے؟''

''میرے بزرگ! شاید آپ کو علم نہیں آپ جدھر جا رہے تھے، وہ آدم خور شیروں کا علاقہ ہے۔''

''مجھے پتا ہے۔ میں اپنی مرضی سے وہاں جا رہا تھا۔'' یہ کہہ کر اس نے ہمیں حیران کر دیا۔

''یعنی آپ خودکشی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں خودکشی کرنا جرم ہے۔'' ہم نے کہا۔

''غربت خودکشی سے بھی بڑا جرم ہے۔'' یہ کہہ کر وہ ایک دم رو پڑا، پھر اس نے جو کہانی سنائی اسے سن کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے بتایا وہ اپنے بیٹے اور بہو کی خاطر اپنی مرضی سے شیروں کا لقمہ بننے آیا تھا، کیوں کہ اگر کوئی درندہ کسی انسان کو مار ڈالے تو حکومت اس کے گھر والوں کو دو لاکھ روپے دیتی ہے۔ پہلے بھی جو لوگ مرے ہیں، ان کے گھر والوں کو حکومت نے امدادی رقم دی تھی۔ میں نے سوچا کچھ دن بعد ویسے ہی مر جاؤں گا، کیوں نہ اپنے بیٹے کی غربت دور کرنے کا انتظام کر جاؤں۔

ہم پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس بوڑھے کو دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ غربت کے ہاتھوں انسان اس حد تک بھی مجبور ہو سکتا ہے۔ ہم بوڑھے کو اس کے بیٹے کے گھر لے گئے۔ اسے سمجھایا کہ بزرگ اولاد کے سر کا سایہ ہوتے ہیں ان کی قدر کرو، ان کی دیکھ بھال اور خدمت کرو۔ محنت کر کے اپنے حالات بدلو، اوپر والے کی ذات پر بھروسا کرو، وہ کارساز ہے۔

بعد میں ہم نے دونوں آدم خور شیروں کو مار ڈالا، جب وہ بچھڑے کے بچے ہوئے گوشت پر دعوت اُڑانے آئے تھے۔ دونوں شیروں کی قیمتی کھالیں ہم نے اس غریب بوڑھے کو تحفے کے طور پر دے دیں اور اپنے دوست سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے رخصت لی اور واپس گھر لوٹ آئے۔ ☆

محرّم

عباس العزم

محرم بامِ عظمت کا ہے زینہ
ہے ہجری سال کا پہلا مہینا

نمایاں اس سے ہے شانِ شہادت
درخشندہ ہے عنوانِ شہادت

مقدس ہے ، بہت ہی محترم ہے
بہت ذی شان ہے اور ذی حشم ہے

ہمارے عزم کی پہچان ہے یہ
ہماری حریّت کی شان ہے یہ

فروزاں اس سے ہے فانوسِ ہمت
جہاں میں ہے نمایاں اس کی عظمت

اسی عظمت کا پرچم ہم اُڑائیں
قدم اب جانبِ منزل بڑھائیں

جہاں کو امن کا پیغام دیں ہم
پیام صلح ، اب ہر گام دیں ہم

کریں تعمیر اک تازہ جہاں اب
بنائیں اس جہاں کو آسماں اب

محرم کا یہ کیا عمدہ سبق ہے
چلیں اس راہ پر جو راہِ حق ہے

بڑھیں اسلام کا پیغام لے کر
صلح کا ، امن کا پیغام لے کر

شہیدِ ملت

نسرین شاہین

قائدِ اعظم محمد علی جناح کے مخلص ساتھی، پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم نواب زادہ لیاقت علی خاں یکم اکتوبر ۱۸۹۸ء کو دہلی میں قریب کرنال کے ایک نواب خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام رکن الدولہ شمشیر جنگ نواب رستم علی خاں تھا، جن کا شمار صوبہ متحدہ آگرہ واودھ (اُتر پردیش) اور مشرقی پنجاب کے ممتاز رئیسوں میں ہوتا تھا۔

انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، اس کے بعد وہ علی گڑھ آ گئے اور MAO کالج میں داخلہ لیا۔ ۱۹۱۹ء میں گریجویشن کرنے کے بعد اعلا تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ ۱۹۲۱ء میں آکسفورڈ یونی ورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور وکالت کا امتحان پاس کر کے وطن واپس آ گئے۔ ۱۹۲۳ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور بہت جلد اعلا سیاست داں کے طور پر اپنی حیثیت منوالی۔ لیاقت علی خاں، قائدِ اعظم کے قریبی ساتھی اور تحریکِ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔

مسلم لیگ کے لیے بے لوث خدمات انجام دینے پر ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے چیئر مین بھی رہے۔ ۱۹۴۳ء میں مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر مقرر ہوئے۔ اسی سال مسلم لیگ کے دوبارہ جنرل سیکرٹری ہوئے۔

دسمبر ۱۹۴۵ء میں لیاقت علی خاں آگرہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی۔ ۱۹۴۶ء میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بنے اور ہندستان کی عبوری

حکومت میں وزیرِ خزانہ بن کر ایک یادگار عوامی بجٹ پیش کیا اور مالی امور کے ماہر ہونے کا سکہ جمالیا۔ روس نے بھی بجٹ کی تعریف کی۔ انھوں نے غریب آدمی کا بجٹ پیش کر کے ہندوؤں اور انگریزوں کی سازشوں کو جس طرح ناکام بنایا، وہ ان ہی کا خاصہ تھا۔

تحریکِ پاکستان میں شہیدِ ملت نواب زادہ لیاقت علی خاں نے طویل جدوجہد کی اور شمعِ آزادی روشن کرنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کے شانہ بشانہ کام کیا۔ اسی بنا پر قائداعظم انھیں اپنا ''دستِ راست'' (دایاں ہاتھ) کہا کرتے تھے۔ قائداعظم نے اپنے اس اعتماد کے نتیجے میں قیامِ پاکستان کے فوراً بعد لیاقت علی خاں کو پاکستان کا پہلا وزیرِاعظم مقرر کیا اور ساتھ ہی وزارتِ دفاع اور امورِ خارجہ کا قلم دان بھی آپ کے سپرد کیا۔

بطور وزیرِ دفاع لیاقت علی خاں کی وہ تقریر بڑی مقبول ہوئی، جس میں انھوں نے دشمن کو اپنی ''آہنی مُکّا'' دکھاتے ہوئے عوام سے کہا تھا: ''بھائیو! یہ پانچ اُنگلیاں اگر علاحدہ علاحدہ ہوں تو ان کی قوت کم ہوتی ہے، لیکن جب یہ مل کر مُکّا بن جائیں تو دشمن کا منھ توڑ سکتا ہے۔'' بعد میں قائدِ ملت کا یہی تاریخی مُکّا اتحاد وقوت کی علامت بن گیا۔

قائدِ ملت نواب زادہ لیاقت علی خاں نے قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد میں قوم و ملک کی جو خدمت کی، وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ وہ قوم کی خاطر زندہ رہے اور قوم ہی کے لیے جان قربان کر دی۔

یہ ۱۶- اکتوبر ۱۹۵۱ء کا دن تھا، جب قائداعظم کے دستِ راست اور قوم کے محبوب رہنما خاں لیاقت علی خاں، راولپنڈی میں تقریر کرنے کے لیے تشریف لائے۔ یہ شام چار بجے کا وقت تھا اور پاکستان زندہ باد، لیاقت علی خاں زندہ باد کے فلک شگاف

نعروں سے فضا گونج رہی تھی۔ ٹھیک چار بجے تلاوتِ قرآن پاک سے جلسے کا آغاز ہوا۔ چار بج کر دس منٹ پر وزیراعظم پاکستان مائیکروفون کے سامنے تقریر کرنے آئے اور ابھی وہ ''برادرانِ ملت'' ہی کے الفاظ کہہ پائے تھے کہ ان پر دو فائر کیے گئے۔ وزیراعظم نے سنبھلنے کی کوشش کی، لیکن لڑکھڑا کر ڈائس پر گر پڑے، ان کے سیاسی مشیر نواب صدیق علی خاں نے فوراً آگے بڑھ کر اپنی حفاظت میں لے لیا۔

لیاقت علی خاں نے نقاہت بھری آواز میں کلمہ طیبہ پڑھا اور آخری لمحے ان کے دل کی آخری تمنا ان کے لبوں پر دعا بن کر آئی: ''اللہ پاکستان کی حفاظت کرے۔'' یہ آخری الفاظ تھے، ایک شہیدِ وفا کے جسے آج ''شہیدِ ملت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

لیاقت علی خاں نے کہا تھا: ''میرے پاس جائداد ہے نہ کوئی دنیاوی دولت، ایک جان ہے، وہ بھی اسلام اور پاکستان کے لیے وقف ہے۔''

جو کہا، وہ کر دکھایا۔ جب تک زندہ رہے قائدِ ملت کہلائے، شہادت پانے کے بعد ہمیشہ کے لیے ''شہیدِ ملت'' بن گئے۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تاکہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔ hfp@hamdardfoundation.org

منجو کی پتنگ

ڈاکٹر خلیل مبین

ای سے کچھ پیسے لے کر
پہن کے ایک چھوٹا سا نیکر
منجو میاں بازار گئے
اک پیاری سی پتنگ لائے
لال رنگ پہ نیلی دھاری
لگتی تھی آنکھوں کو پیاری
چرخی میں تھا مانجھا سدی
چرخی تھی تھوڑی سی بھدی

انھوں نے لمبا پیچ لڑایا
مانجھے سے مانجھے کو بھڑایا
منجو کی پھر پتنگ کٹی تھی
اس پہ ان کی ڈور لٹی تھی
ان کے پیسے برباد ہوگئے
شاد تھے، وہ ناشاد ہوگئے
سمجھاتے ہیں جب سب ہی
غور سے سوچا انھوں نے ابھی
میں پتنگ نہیں اُڑاؤں گا
اور پیسے نہیں گنواؤں گا

انوکھا ٹماٹر

''ارے میاں فریڈرک! کہاں جا رہے ہو؟''

''دادا ابا! گھر جا رہا ہوں۔''

''یہ تربوز کہاں سے لے آئے؟''

''بازار سے، مگر یہ تربوز نہیں، ٹماٹر ہے۔''

''تم مذاق تو نہیں کر رہے؟ یہ کم از کم تین پونڈ کا تو ہوگا!''

''جی ہاں، یہ دس انچ چوڑا ہے اور ساڑھے تین پونڈ وزنی۔ اُسے پکا کر کھایا جائے تو ہمارے سارے گھر والوں کا پیٹ بھر سکتا ہے۔''

''اس ایک ٹماٹر سے! حیرت ہے۔''

دادا میاں شام کو ٹہلنے کے لیے نکلے تھے۔ وہ عمدہ سوٹ، جوتے موزے پہنے تھے اور انھوں نے ہیٹ بھی لگا رکھا تھا۔ سہارے کے لیے ان کے ہاتھ میں چھڑی بھی تھی۔ سڑک کی دائیں طرف ایک پارک تھا۔ فریڈرک انھیں وہاں لے گیا اور ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔

''دادا! میں نے اس ٹماٹر کے بارے میں اخبار میں ایک رپورٹ پڑھی تھی تو میں بازار گیا اور ایک ٹماٹر خرید کر لے آیا۔''

''فریڈرک! مجھے بھی اس کے بارے میں بتاؤ! مجھے تو اب تک یقین ہی نہیں آ رہا ہے کہ یہ ٹماٹر ہے۔'' دادا نے اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اشتیاق سے کہا۔

''دادا ابا! اس انوکھے ٹماٹر کا نام ''گِگا نٹو مو'' ہے۔ تمام ٹماٹر کی نسبت یہ بارہ گنا

بڑا ہے۔ اس وقت یہ برطانیہ کے بازاروں میں فروخت ہو رہا ہے۔ یہ اتنا بڑا ہے کہ بیک وقت چار افراد اس سے پیٹ بھر سکتے ہیں۔ اس کا پودا چھے فیٹ بلند ہوتا ہے، جس میں دس یا گیارہ ٹماٹر لگتے ہیں۔ پودے کو سہارا دینے کے لیے اس کے نزدیک کیاری میں کوئی لکڑی گاڑنی پڑتی ہے، تاکہ پودا وزن سے مڑ نہ جائے۔ ٹماٹر کے اس پودے پر برطانیہ اور امریکا کے کسان گزشتہ بیس سال سے تحقیق کر رہے تھے۔ اس تحقیق کا نتیجہ اب سامنے آیا ہے اور ہمیں تربوز جیسا ٹماٹر کھانے کو ملا ہے۔ ان دو کسانوں کا نام سائمن کرافورڈ اور پال ٹامس تھا۔ ٹامس پندرہ سال تحقیق کرنے کے بعد وفات پا گیا، جب کہ کرافورڈ نے مسلسل کوشش جاری رکھی اور کام یاب ہو گیا۔ اب یہ عام لوگوں کے لیے بازار میں فروخت ہو رہا ہے، جس کا دل چاہے، خرید لے۔ صرف برطانیہ ہی نہیں بلکہ یہ امریکا میں بھی فروخت ہو رہا ہے۔ برطانیہ کے علاقے لنکن شائر کے کسان میوون نے جو اس ٹماٹر کو اُگانے کے لیے بیج فروخت کرتا ہے، سب سے وزنی ٹماٹر جو سات پونڈ، بارہ اونس کا تھا، اپنے کھیت میں اُگا چکا ہے۔ اس نے اعلان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص سے بھی وزنی ٹماٹر اُگائے گا، وہ اسے پانچ ہزار پونڈ انعام میں دے گا۔''

''بہت خوب!'' دادا نے فریڈرک کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ''تب تو تمھیں بھی یہ انعام جیتنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ میری خواہش ہے کہ تم اتنا بڑا ٹماٹر اُگانے میں کام یاب ہو جاؤ کہ اس سے سارے شہر کی دعوت کی جا سکے۔''

وہ بنچ سے اُٹھے اور اپنی چھڑی ہلاتے ہوئے پارک سے نکل گئے۔

☆☆☆

جن کی سیٹی

احمد عدنان طارق

کہیں دور ایک بہت اونچا پہاڑ ہوا کرتا تھا۔ جس کے دامن میں ایک گاؤں آباد تھا۔ اس گاؤں میں ایک چھوٹا سالڑ کا معاذ رہتا تھا۔ ایک دن شام کے وقت وہ جنگل میں سیر کر رہا تھا کہ اچانک اس کے کانوں میں اتنی خوف ناک آواز آئی کہ اس کا دل دہل گیا۔ وہ جلدی سے ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے دیکھا کہ وہاں ایک لمبا چوڑا جن آ گیا، جو زور زور سے زمین پر اپنے پاؤں پٹخ رہا تھا۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ جن نے اپنے ہونٹ گول کیے، پھر زور زور سے پھونک مارنے لگا۔ پھر اس نے زور سے اپنا سر ایک بڑے درخت کے تنے سے ٹکرایا، جس سے درخت کے پتے جھڑ کر یوں اُڑنے لگے جیسے برف باری کے موسم میں برف کے گالے۔

ایک دفعہ پھر جن زور سے دہاڑا۔ اس نے ایک درخت کو جڑ سے اُکھاڑا اور سر کے اوپر ہاتھ کر کے گھمانے لگا، جس سے اِرد گرد کے جھیں اور درخت بھی جڑ سے نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود کو کوستا ہوا اس راستے پر چل دیا، جو پہاڑ کی چوٹی کو جاتا تھا۔ معاذ کی جان بچی تو وہ گھر کی طرف بھاگا۔

معاذ نے گاؤں پہنچ کر سب کو بتایا: ''میں نے ابھی ابھی ایک اودھم مچاتے ہوئے جن کو دیکھا ہے۔''

جس نے بھی یہ بات سنی، وہ مسکرا دیا۔

گاؤں کے نمبردار نے کہا: ''دنیا میں کہیں جن نہیں ہوتے، میں نے آج تک نہیں دیکھا۔''

معاذ نے نمبر دار کو بتایا: ''نمبر دار صاحب! اس جن کے اودھم مچانے سے چھبیس درخت جڑ سے اُکھڑ گئے ہیں۔''

نمبر دار نے معاذ کو سمجھاتے ہوئے کہا: ''بیٹا! کوئی آندھی کا بگولا آیا ہوگا۔ اس علاقے میں پہلے بھی اس طرح کے بگولے آتے رہے ہیں اور درخت جڑ سے اُکھڑتے دیکھے گئے ہیں۔''

اگلے ہفتے دوپہر کو معاذ دوبارہ پہاڑ کے دامن میں جنگل کی طرف نکل گیا۔ وہ ابھی جنگل میں پہنچا ہی تھا کہ اس نے دوبارہ دل دہلا دینے والی خوف ناک آواز سنی۔ معاذ بجلی کی تیزی سے ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ وہی جن کسی طوفان کی طرح پہاڑ سے آنے والے راستے سے نمودار ہوا۔ وہ پچھلے ہفتے کی طرح اس دفعہ بھی بہت پریشان تھا۔ پھر اچانک اس نے خود کو منھ کے بل گرا دیا اور زمین کو اپنے دونوں ہاتھوں سے کوٹنے لگا۔ زمین اس طرح لرزنے لگی جیسے زلزلہ آ رہا ہو۔ جن نے پھر اپنے ہونٹ انگریزی کے حرف ''O'' کی طرح سکیڑ لیے۔ پھر تیزی سے اپنا سانس اندر کی طرف کھینچنے لگا۔ جس سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں جیسے وہ سوپ پی رہا ہو۔

پھر وہ چلّایا: ''افسوس ہے۔ بہت افسوس۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے بائیں گھٹنے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور پھر دائیں ٹانگ پر کسی کنگرو کی طرح پُھدکتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی کو جانے والے راستے پر روانہ ہو گیا۔

معاذ کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ جب اوسان بحال ہوئے تو وہ گھر پہنچا۔ اس نے سب کو بتایا: ''میں نے دوبارہ اسی جن کو دیکھا ہے۔ اس نے وہ اودھم مچایا کہ

زمین لرز رہی تھی۔''

اس دفعہ اسے گاؤں کے چوکیدار نے بتایا: ''بیٹا! کوئی زلزلہ آیا ہوگا۔ یہاں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں۔''

کئی دن بعد معاذ پھر پہاڑ کے قریب والے جنگل میں سیر کرنے گیا۔ توقع کے مطابق اسے پھر خوف ناک آواز سنائی دی۔ اس دفعہ معاذ ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔ تھوڑی دیر میں ہی جن غصے میں آگ بگولا وہاں آن پہنچا۔ جب وہ اس چٹان کے قریب پہنچا، جس کے پیچھے معاذ چھپا بیٹھا تھا تو وہاں آکر اس نے دوبارہ اپنے ہونٹوں کو گول انداز میں سکیڑ لیا اور زور زور سے سانس اندر کو کھینچنے لگا۔ کافی کوشش کے بعد اس نے حسرت سے پھر اپنے الفاظ دہرائے: ''افسوس، انتہائی افسوس! کہ میں کبھی یہ کام ٹھیک سے نہیں کر سکتا۔''

یہ کہہ کر جن نے اپنی سانس اتنی دیر روکے رکھی کہ اس کا رنگ نیلا پڑ گیا۔ پھر اس نے سانس باہر نکالی تو وہ باقاعدہ ہانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اب بھی باہر نکلی ہوئی تھیں۔ وہ مایوس ہو کر ہانپتے ہوئے اپنے ٹھکانے کی طرف جانے والے راستے پر چل دیا۔

اس بار کچھ سوچ کر معاذ اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ دونوں پہاڑ پر اوپر ہی اوپر چڑھتے رہے، یہاں تک کہ چوٹی پر جا پہنچے۔ معاذ نے دیکھا، وہاں ایک بہت بڑا غار تھا۔ جن غار میں داخل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہاں سے ایک عجیب و غریب آواز آنے لگی۔ وہی جن کراہ رہا تھا اور خود سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا: ''میری چھوٹی سی خواہش پوری نہیں ہو رہی۔ میں صرف منھ سے سیٹی ہی تو

بجانا چاہتا ہوں، لیکن میں جب بھی کوشش کرتا ہوں کچھ نہ کچھ غلطی ہو جاتی ہے اور میرے منھ سے سیٹی کی آواز نہیں نکلتی۔''

معاذ نے کچھ دن پہلے ہی سیٹی بجانا سیکھی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ پھر بھی وہ کچھ سوچ کر غار کے اندر داخل ہو گیا۔

جن نے اسے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا: ''تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟''

معاذ نے جواب دیا: ''مجھے معلوم ہے، تم سیٹی بجاتے وقت کیا غلطی کرتے ہو!''

جن نے یہ بات سنی تو معاذ کے آگے جھک گیا، اس کے پیر پکڑ لیے اور گڑگڑا کر بولا: ''خدا کے واسطے، مجھے جلدی سے میری غلطی بتا دو۔''

معاذ نے اس سے کہا: ''اس کے بدلے تمھیں گاؤں کے نزدیک آ کر اودھم مچانا بند کرنا ہوگا!''

جن نے وعدہ کیا: ''میں وعدہ کرتا ہوں۔''

معاذ نے کہا: ''اب اپنے ہونٹ یوں سکیڑو۔''

جن نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا: ''میں ہمیشہ ایسا ہی کرتا ہوں۔''

معاذ پھر بولا: ''اب سانس کو کسی پھونک کی طرح زور سے باہر نکالو۔''

جن بولا: ''باہر؟''

معاذ نے کہا: ''ہاں باہر۔''

جن نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔ اس نے انگریزی کے لفظ ''O'' کی طرف ہونٹ سکیڑے اور پھر سانس کو آہستہ آہستہ پھونک کی طرح باہر

نکالا اور اس کے منھ سے کم زور سی سیٹی کی آواز نکلی۔ جن مسکرایا اور چلّا کر بولا: ''میں نے سیٹی بجائی۔ کیا تم نے سنا؟ میں نے سیٹی بجائی۔''

پھر اس نے معاذ کے ہاتھ پکڑے اور بے اختیار ناچنے لگا۔ جن نے معاذ سے کہا: ''تم میرے سب سے اچھے دوست ہو۔''

معاذ نے کہا: ''شکریہ۔ ہوسکتا ہے کبھی بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے ہم اِکھٹے سیٹی بجائیں۔ اب مجھے دیر ہو رہی ہے۔ مجھے جانا ہے۔ امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔''

معاذ پہاڑ سے نیچے اُترنے لگا۔ جن غار کے باہر ہاتھ ہلا کر اسے خدا حافظ کہہ رہا تھا۔

اس دن کے بعد شاید ہی کبھی معاذ نے جن کو دوبارہ دیکھا ہو۔ جن نے اپنا کیا ہوا وعدہ نبھایا اور پھر کبھی اس کے گاؤں کے نزدیک اودھم نہیں مچایا۔

ایک دن گاؤں کے نمبر دار نے سوچتے ہوئے کہا: ''بہت دن ہو گئے، خدا کا شکر ہے، زلزلہ نہیں آیا۔''

چوکیدار بھی حیرانی سے کہہ رہا تھا: ''اور آندھی کے بگولے نے درخت بھی جڑ سے نہیں اُکھاڑے۔''

کبھی کبھی وہ دور فاصلے سے ایک مدھم سی آواز سنتے تھے، جیسے کوئی سیٹی بجا رہا ہو۔ چوکیدار کہتا: ''یہ ٹرین کی سیٹی کی آواز ہے۔''

یہ صرف معاذ ہی جانتا تھا کہ اس کا دوست جن پہاڑ والے راستے سے آ رہا ہے اور گنگناتا ہوا سیٹی بجا رہا ہے۔

☆☆☆

دو نواب

انتخاب : سلمان یوسف سمیجہ

نواب مدنی صاحب میرے عزیز دوست تھے۔ وہ ہمدرد فاؤنڈیشن سے بھی وابستہ رہے۔ مزاج ذرا خشک تھا، مگر نہایت تر بھی تھا۔ پاکستان کی تعمیر کے لیے ان کے مزاج میں ہر طرح کی تری موجود تھی۔ اب میں دو نوابوں کی ٹکر کا حال تم کو سناتا ہوں۔ بڑا دل چسپ واقعہ ہے۔

ہوا یوں کہ نواب مدنی صاحب پشاور میں کمشنر تھے۔ اس زمانے میں مغربی پاکستان کے گورنر جناب محترم نواب کالا باغ تھے۔ نواب کالا باغ گورنر کی حیثیت سے پشاور تشریف لائے۔ اُصولاً کمشنر پشاور کو ان کا استقبال کرنے کے لیے ہوائی میدان پر ہونا چاہیے تھا۔ قاعدہ یہی ہے، مگر جناب، مدنی صاحب بھی نواب تھے۔ ہوائی میدان نہیں گئے اور گورنر ہاؤس پر نواب کالا باغ کو انھوں نے خوش آمدید کہا۔ نواب کالا باغ نہایت نفیس انسان تھے، مگر قاعدے ضابطے کے سخت پابند۔ سخت ناراض ہوئے کہ کمشنر کی یہ مجال کہ میرا استقبال نہ کرے۔

نواب کالا باغ صاحب نے لاہور واپس جا کر مدنی صاحب کی فائل طلب کی اور ان کو سزا کے طور پر پشاور سے کسی دوسری جگہ بھیج دینے کا حکم دے دیا، جو کم عہدے کی جگہ تھی۔ اتفاق سے سیکرٹری اس فائل کو لے کر گیا تھا۔ اس نے جب فیصلہ دیکھا تو ڈرتے ڈرتے کہا: ''جناب محترم گورنر صاحب! جی۔ اے۔ مدنی، نواب محمد اسماعیل خاں کے بیٹے ہیں۔ نواب ابنِ نواب ہیں۔ ذرا اس پر غور فرما لیجیے۔''



نونہالو! نواب کالا باغ جو سخت غصے میں تھے، جب انھوں نے سنا کہ مدنی صاحب نواب محمد اسماعیل خاں کے بیٹے ہیں اور خود نواب ہیں تو انھوں نے فوراً فائل واپس لے لی اور فرمایا: ''اچھا یہ نواب اسماعیل خاں کا بیٹا ہے مدنی۔ اس نے صحیح کیا کہ ہوائی میدان پر میرا استقبال کرنے نہیں آیا۔ نواب کے بیٹے نواب کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔''

نواب کالا باغ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور مدنی صاحب سے ٹیلے فون پر بات کی۔ اپنی ناراضی کی معذرت چاہی اور کہا کہ آپ آیندہ بھی ہوائی میدان میرا استقبال کرنے نہ آئیں، مگر نونہالو! اس کے بعد مدنی صاحب نے ہمیشہ ہوائی میدان پر جا کر ان کا استقبال کیا۔ دونوں نواب اب باہم دوست تھے۔ ☆

نونہال خبر نامہ

سلیم فرخی

عبدالصمد درخت والا



بنگلا دیش کے ایک باہمت شخص نے پہلا درخت بارہ سال کی عمر میں لگایا تھا اور تب سے وہ اب تک روزانہ کم از کم ایک درخت لگا رہے ہیں اور یہ سلسلہ ۴۸ سال سے جاری ہے۔ عبدالصمد شیخ اب تک ۵۰ ہزار سے زائد درخت لگا چکے ہیں۔ روزگار کے لیے وہ سائیکل رکشا چلا کر ایک دن میں مشکل سے ۱۵۰ پاکستانی روپے کے برابر پیسے کماتے ہیں۔ درختوں سے محبت کی بنا پر انھیں ''درخت والا عبدالصمد'' کہا جاتا ہے۔ بنگلا دیش کے شہر فرید پور سے تعلق رکھنے والے عبدالصمد شہر کے محکمہ شجرکاری سے پودے لا کر مناسب جگہ پر لگاتے ہیں۔

عبدالصمد کہتے ہیں کہ اگر وہ کسی دن پودے نہ لگائیں تو انھیں رات کو نیند نہیں آتی۔ یہ پودے وہ اپنے پیسوں سے خریدتے ہیں، جس پر کبھی کبھی ان کی اہلیہ ناراض بھی ہو جاتی ہیں۔

اسمارٹ فون اور نیند

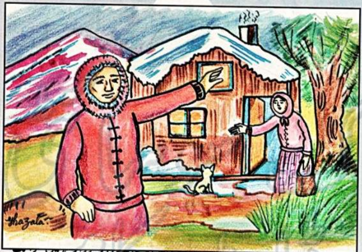
کیا آپ موبائل یا اسمارٹ فون زیادہ استعمال کرتے ہیں؟ اگر ہاں تو یہ عادت آپ کی نیند کے لیے تباہ کن ثابت ہوسکتی ہے۔ تحقیق کے مطابق دن بھر میں دو گھنٹے سے زائد اسمارٹ فون کا استعمال نوجوانوں کے اندر نیند کی کمی کا باعث بنتا ہے۔ تحقیق میں بتایا گیا کہ اکثر نوجوان سونے سے پہلے اسمارٹ فون استعمال کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں نیند کے معمولات متاثر ہوتے ہیں۔ محققین کا کہنا تھا، یہ عادت جسمانی قدرتی گھڑی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ قدرتی گھڑی انسان کے سونے اور جاگنے کے وقت کا تعین کرتی ہے۔ اس سلسلے میں بارہ سو نوجوانوں سے سوالات پوچھے گئے، جس سے معلوم ہوا کہ جو نوجوان دو گھنٹے سے زائد وقت اسکرینوں کے سامنے گزارتے ہیں، ان کو بے خوابی کے مرض کا سامنا تھا۔ نیند کی کمی بلڈ پریشر اور ذیابیطس سمیت مختلف امراض کا خطرہ بڑھا دیتی ہے۔ اسی طرح ڈپریشن، سوچنے اور توجہ مرکوز کرنے میں مشکلات کے ساتھ ساتھ موٹاپے کا امکان بھی ہوتا ہے۔ ان ڈیوائسز سے خارج ہونے والی روشنی ایک اچھی نیند کے لیے رکاوٹ بنتی ہے۔ ☆




SANIPLAST®
First Aid Bandage
Junior
Perfect for the
little ones...
Anzi
Momi
Uniferoz
/SaniplastHumeshaPass

سنہرے موتی

ناصر محمود فرہاد



نام کی ایک بڑھیا اپنے نوجوان بیٹے ''منگ لی'' کے ساتھ رہتی تھی، منگ لی کا باپ کافی عرصہ پہلے فوت ہو چکا تھا۔ وہ ایک تاجر کی دکان پر کام کرتا تھا۔ وہاں سے جو تھوڑی بہت یومیہ اُجرت ملتی، اس سے اپنا اور اپنی ماں کا پیٹ بھرتا تھا۔

ایک دفعہ موسمِ سرما میں کئی دن سے مسلسل برف باری ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں موسم کو شدید سرد بنا رہی تھیں۔ بوڑھی وانگ کے ٹوٹے پھوٹے گھر کی کم زور چھت برف کے بھاری بوجھ تلے اتنی دب چکی تھی کہ اس کے گرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، مگر ہوا



کے تیز طوفان نے ان کے گھر کی بیرونی دیوار کو چھت سے پہلے گرا دیا۔ وانگ کا بیٹا منگ لی ساری رات سخت سردی میں اس دیوار کو مرمت کرنے کی کوشش کرتا رہا، جس کی وجہ سے اس کو نمونیا ہو گیا۔ وہ کافی دن بیمار پڑا رہا۔ جو تھوڑی سی رقم گھر میں رکھی تھی، وہ اس کے علاج پر خرچ ہو گئی۔ اس دوران منگ لی کی نوکری بھی چلی گئی، کیوں کہ منگ لی جس دکان پر کام کرتا تھا، اس کی غیر حاضری کے باعث وہاں کسی اور کو ملازم رکھ لیا گیا۔

منگ لی کچھ عرصہ بعد صحت یاب تو ہو گیا، مگر کم زور اتنا ہو چکا تھا کہ جسمانی محنت کے قابل نہ رہا۔ اب اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا، جس کی بدد سے دونوں ماں بیٹا اپنا پیٹ بھر سکتے۔ منگ لی ہر صبح کام کی تلاش میں گھر سے نکلتا اور شام کو مایوس گھر واپس آ جاتا۔ اس صورتِ حال میں اس کا دل ٹوٹ چکا تھا، مگر وہ حوصلہ نہیں ہارا۔ وہ اپنی ماں کی خدمت کرنا چاہتا


میٹھا - جو چاہت بڑھائے!
Laziza
INTERNATIONAL
Shahi
Tukra
MIX
Dessert Mix
Net Wt. 180 gms e (6.34 oz.)
Serving Suggestion
Purity, Quality & Taste since 1985
www.lazizafoods.com

تھا۔ اس کو اچھا کھانا اور اچھے کپڑے دینا چاہتا تھا، مگر کہاں سے...... ہر وقت بس یہی سوچتا رہتا۔

اس دن بھی جب وہ حسبِ معمول کام کی تلاش میں گھر سے نکلا تو بوڑھی وانگ اس کی کام یابی کے لیے دعا کرنے لگی۔ اسے اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ اپنے پالتو کتے اور بلی کی بھی فکر تھی، جو گھر کے ایک کونے میں بے چارگی کے عالم میں بھوکے پیاسے پڑے تھے۔

اسی وقت دروازے پر ایک زوردار دستک سنائی دی۔ وانگ نے جا کر دروازہ کھول کر دیکھا تو دروازے پر ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ وانگ سمجھی کہ یہ کوئی گداگر ہے اور کھانے کی کوئی چیز مانگنے ان کے دروازے پر آیا ہے، لہٰذا وہ اسے دیکھتے ہی بولی: ''ہم پچھلے دو ہفتوں سے سوکھی روٹی کے ٹکڑوں پر گزارا کر رہے ہیں اور آج تو وہ بھی ختم ہو چکی ہے۔ اب تو صرف ان اچھے کھانوں کی یادیں باقی رہ گئی ہیں، جو ہم اس وقت کھایا کرتے تھے، جب میرے بیٹے کا باپ زندہ تھا۔ اس وقت ہماری بلی بھی اتنی موٹی تھی کہ اس کے لیے چھت پر چڑھنا مشکل تھا، مگر اب اس کو دیکھو! وہ اتنی کم زور ہو چکی ہے کہ زمین پر لیٹی بمشکل نظر آتی ہے۔ اس لیے میں معافی چاہتی ہوں۔ میں آپ کی کچھ مدد نہیں کر سکتی۔''

''میں تم سے کچھ مانگنے نہیں آیا۔'' بوڑھے شخص نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا: ''میں صرف اس لیے یہاں آیا ہوں کہ تم لوگوں کی مدد کر سکوں۔ مجھے کسی ذریعے سے تم لوگوں کے حالات کا علم ہو گیا تھا۔ یوں سمجھو کہ خدا نے تمھاری اور تمھارے بیٹے کی دعائیں سن لی ہیں۔ اب ان دعاؤں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ تمھارے بیٹے نے مشکل وقت میں بھی تمھاری خدمت کی ہے اور اب جب کہ اس کے پاس ملازمت نہیں ہے، وہ پھر بھی ہمت نہیں ہارا۔ اسی صبر و شکر کا انعام دینے میں تمھارے پاس آیا ہوں۔''

اس بزرگ کی باتیں سن کر وانگ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، وہ کہنے لگی: "میں ابھی تک نہیں سمجھی، آپ کا کیا مطلب ہے؟"

بزرگ نے اپنے کندھے سے لٹکے تھیلے [illegible] اور تین سنہرے موتی نکال کر وانگ کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولا: "یہ مذاق بالکل نہیں ہے۔ یہ دیکھو، ان چھوٹے چھوٹے سنہرے موتیوں میں اتنی جادوئی طاقت ہے، اتنی کہ تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔ میں یہ تمھیں دے رہا ہوں۔ یہ تمھارے لیے میری طرف سے تحفہ ہے۔"

وانگ نے ان موتیوں کو [illegible] دیکھتے ہوئے [illegible] اچھی قیمت پر بک [illegible] اچھی طرح پیٹ بھر کر کھا سکیں [illegible] آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"تمھیں ان موتیوں [illegible] کیوں کہ ان میں اتنی طاقت ہے [illegible] مسکراتے ہوئے کہا۔

وانگ [illegible] بزرگ کو دیکھنے لگی۔

"غور سے سنو [illegible] تمھیں بھوک لگے تو تم ان موتیوں کو ایک برتن میں ابلتے ہوئے پانی میں ڈال دو اور خدا سے دعا مانگ کر اس کھانے کا نام پکارو، جو تم کھانا چاہتی ہو۔ چند منٹ بعد برتن کا ڈھکن ہٹاؤ تو وہی کھانا اس کے اندر موجود ہوگا، تازہ، گرم اور لذیذ کھانا۔"

"[illegible] دیکھ سکتی ہوں؟" وانگ بے یقینی سے بولی۔

[illegible] یہ کہہ کر وہ بزرگ پلٹا اور دور

نکل گیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی وانگ لی نے جلدی جلدی آگ جلائی۔ ایک برتن میں کچھ پانی اُبالا، پھر اس میں وہ سنہری موتی ڈال دیے اور [illegible] کھانا پکنے کا انتظار کرنے لگی۔ انتظار کرنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ برتن سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ چند منٹ بعد اس نے تیزی سے ڈھکن ہٹا دیا۔ برتن میں جھانکا تو اس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ برتن بھنے ہوئے لذیذ گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ سوندھی سوندھی خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ اتنا لذیذ کھانا اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں کھایا تھا۔ وہ بے صبری سے کھاتی چلی گئی۔ جب پیٹ بھر گیا تو جو کھانا بچا، وہ اس نے بلی اور کتے کے آگے ڈال دیا۔

وانگ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ جب اس کا بیٹا شام کو گھر واپس آئے گا تو وہ اس کو اس کا پسندیدہ کھانا کھلا سکے گی۔ منگ لی اس کھانے کو دیکھ کر کتنا حیران ہوگا۔ [illegible] واپس گھر آیا تو اس کے چہرے پر [illegible] کے آثار تھے۔ وہ مایوس اور تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔

”میرے بیٹے! جلدی [illegible] تمھارے لیے [illegible]۔ دیکھو! ایک بزرگ نے کتنا اچھا تحفہ دیا ہے۔“ خوشی سے چلاتے ہوئے وانگ لی نے وہ سنہرے موتی اُبلتے ہوئے پانی میں ڈال دیے اور آگ تیز کر دی۔ [illegible]

منگ لی حیرانی کے عالم میں اپنی ماں کو دیکھنے لگا۔ اس کو اس پر ترس [illegible]۔ وہ سمجھا کہ شاید بھوک کی شدت سے اس کی [illegible]، اس لیے وہ الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہے۔ اتنے میں [illegible] یوں جیسے کہہ رہی ہو کہ مالک! خوش ہو جاؤ، [illegible] کے عالم میں ادھر اُدھر چکر لگا رہا [illegible] زیادہ دیر [illegible] اپنی ماں کو خوشی بھری آواز سنائی

دی: ''ہاتھ دھولو بیٹے! اور دُنبے کا گوشت کھالو، یہ بالکل گرم اور تازہ ہے۔''

منگ لی کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا کہ جو کچھ اس نے سُنا کیا، وہ ٹھیک تھا، مگر اسے یقین کرنا ہی پڑا۔ اس کے سامنے میز پر ایک بڑی پلیٹ بُھنے ہوئے تازہ، گرم بھاپ اُٹھتے گوشت سے بھری پڑی تھی اور یہ اس کا پسندیدہ کھانا تھا۔

وانگ بولی: ''صرف کھانا کھاؤ، کوئی سوال مت کرو۔ جب تم پیٹ بھر کر کھالو گے تو میں تمھیں سب کچھ بتا دوں گی۔''

منگ لی خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ اس کی ماں پاس بیٹھی اس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ خوش تھی کہ اس کا بیٹا آج اتنے دن بعد پیٹ بھر کر کھانا کھا رہا تھا۔ جب وہ کھانا کھا چکا تو وانگ نے سنہری موتی نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے، جنھیں دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا اور پوچھنے لگا: ''یہ تمھیں کہاں سے ملے؟''

اس کی ماں ہنس کر بولی: ''شاید وہ کوئی فرشتہ تھا جو فقیروں والے بھیس میں ہمارے گھر آیا تھا۔ اس نے مجھے یہ سنہرے موتی دیے۔ یہ کروڑوں روپے سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔''

منگ لی حیرت سے اپنی ماں کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کو تو بس گرم گرم کھانے کا راز معلوم کرنا تھا۔

''مگر...... ماں!...... یہ گرم کھانا کہاں سے آیا، جو میں نے ابھی کھایا ہے؟''

وانگ اس کی بے صبری پر ہنس پڑی اور پھر اس نے اس کو تفصیل سے سب کچھ بتا دیا اور بچا ہوا گوشت کتے اور بلی کے برتن میں ڈال دیا۔ ایسا منظر اس کے بیٹے نے کبھی نہیں دیکھا تھا، کیوں کہ وہ بہت غریب تھے اور بچا ہوا کھانا اگلے وقت کے لیے محفوظ

کر لیتے تھے، مگر اب خوشی کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ ماں، بیٹا، کتا اور بلی سب پیٹ بھر کر کھانا کھا رہے تھے۔ ایسے لذیذ کھانے جن کے وہ پہلے صرف خواب دیکھا کرتے تھے۔ ان کھانوں کی وجہ سے منگ لی جلد ہی دوبارہ صحت مند اور موٹا تازہ ہو گیا، مگر سست بھی، کیوں کہ اب اس کو کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، گھر بیٹھے کھانا مل رہا تھا۔ یہی حال ان کے دونوں پالتو جانوروں کا تھا، وہ بھی کھا کھا کر موٹے، سست اور کاہل ہو گئے۔ ان کا کام بس کھانا اور سونا ہی رہ گیا تھا۔ ان کے بال بھی لمبے اور چمک دار ہو گئے تھے۔

ایک چینی کہاوت کے مطابق فخر و غرور کا نتیجہ ہمیشہ افسوس اور پریشانی ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا سا خاندان بھی اپنی خوش نصیبی پر بہت غرور کرنے لگا۔ ان لوگوں نے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو اپنے گھر دعوت پر مدعو کرنا شروع کر دیا، تا کہ وہ ان کو اپنے شان دار کھانے کھلا کر اپنی بڑائی جتا سکیں۔ ایک روز انھوں نے اپنے ایک دور دراز کے رشتے دار ''جو'' کو دوپہر کے کھانے پر بلایا۔ وہ دریا کے پار دوسرے گاؤں میں رہتا تھا۔ جو، اپنی بیوی اور بچوں سمیت ان کے ہاں آیا تو اس کی بیوی یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ان لوگوں کا گھر تو ٹوٹا پھوٹا اور لباس غریبانہ تھا، مگر کھانا ان کو توقع کے خلاف نہایت لذیذ اور پیٹ بھر کے ملا۔ جو کی بیوی کو بہت متجسس ہوئی کہ یہ کھانا آخر آیا کہاں سے ہے۔ کھانا کھا کر وہ لوگ جب واپس اپنے گھر آئے تو جو کہنے لگا: ''میں نے اس سے زیادہ مزے دار کھانا پہلے کبھی نہیں کھایا۔''

''میں شاید جانتی ہوں کہ ان کے پاس یہ کھانا، کہاں سے آیا تھا!'' اس کی بیوی مسکراتے ہوئے بولی۔

''کہاں سے......؟'' جو حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

''میں نے بوڑھی وانگ کو کچھ موتی ایک برتن کے اندر اُبلتے پانی میں ڈالتے دیکھا، پھر اس نے ان کو ڈھک دیا اور کچھ بڑبڑانے لگی۔ جب اس نے برتن کا ڈھکن ہٹایا تو اس میں گرم گرم لذیذ کھانا تھا۔'' جو کی بیوی اس کو تفصیل بتانے لگی۔

''ہم اتنے خوش قسمت کیوں نہیں۔ لگتا ہے ہم ہمیشہ غریب ہی رہیں گے۔'' جو افسردگی سے بولا۔

''کیوں نہ ہم چند دن کے لیے وانگ سے یہ موتی اُدھار مانگ لیں، تاکہ ہم بھی گوشت کھا کر اپنی ہڈیوں کو مضبوط کر سکیں اور جسموں پر گوشت چڑھا لیں۔''

''میرا نہیں خیال کہ وہ یہ موتی ہمیں اُدھار دیں گے۔'' جو نے خدشہ ظاہر کیا۔

''تو پھر ہم چپکے سے ان کو چرا لاتے ہیں۔ بعد میں واپس کر دیں گے۔'' جو کی بیوی نے ایک اور تجویز دی۔

''یقیناً وہ لوگ ان موتیوں کو بڑی حفاظت سے رکھتے ہوں گے۔ جب تم ان کو وہاں سے اٹھاؤ گی تو کیا ان کو علم نہیں ہو جائے گا؟ ان کے گھر میں ایک ہی چھوٹا سا کمرا ہے۔ وہاں سے ان کو چرانا مشکل ہے۔ یاد رکھو، [illegible] چوری [illegible] محلے [illegible] مشکل [illegible]

[illegible] وانگ کے بیٹے [illegible] وہ اپنے بیٹے کے ساتھ کل دوسرے گاؤں میں ایک میلے میں جائے گی۔ وہ لوگ صبح وہاں روانہ ہوں گے اور شام کے قریب واپس آئیں گے۔ میں صبح ان کے گھر جاؤں گی اور ان کے جانے کے بعد وہ موتی وہاں سے اُٹھا لاؤں گی۔''

''کیا تمھیں ان کے کتے سے ڈر نہیں لگتا؟'' جو پوچھنے لگا۔

''وہ کھا کھا کر اتنا موٹا اور سست ہو گیا ہے کہ اب وہ تیزی سے حرکت بھی نہیں کر سکتا۔''

''ٹھیک ہے، مگر یاد رکھو، ہم موتی چُرانے نہیں جا رہے، صرف چند دنوں کے لیے اُدھار لیں گے، پھر واپس کر دیں گے۔ وانگ سے ہمارے اچھے تعلقات ہیں۔''

دوسرے دن جو کی بیوی اپنے گھر سے نکلی اور نہایت مہارت سے اپنا کام مکمل کر کے تھوڑی دیر بعد گھر واپس پہنچ گئی اور فخریہ انداز میں اپنے شوہر کو وہ سنہرے موتی دکھانے لگی۔ کسی نے بھی اس کو وانگ کے گھر گھستے اور نکلتے نہیں دیکھا تھا۔ بلی نے ایک دفعہ اس کی طرف سر اُٹھا کر حیرت سے دیکھا اور پھر دوبارہ آنکھیں موند لی تھیں۔

دوسری طرف میلے سے گھر واپس آ کر وانگ کو بہت بھوک لگ رہی تھی۔ کھانے کی اُمید میں اب نے وہاں سے موتی نکالنے چاہے جہاں اس نے رکھے تھے، مگر وہ اب وہاں نہ تھے۔ وہ ان کو دیوانہ وار اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگی۔ ہر ایک چیز کھنگال ڈالی۔ کمرے کا تمام سامان یوں بکھر گیا تھا جیسے طوفان گزرا ہو، کیوں کہ وہ ہر جگہ موتیوں کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی، مگر وہ نہ ملے۔ فاقوں کے دن لوٹ آئے تھے اور اب یہ دن پہلے سے زیادہ مشکل تھے۔ کیوں کہ پیٹ بھر کھانے کی انھیں عادت ہو گئی تھی۔ اب بھوکا رہنا مشکل تھا۔ وانگ اور اس کا بیٹا تو ان حالات میں پریشان تھے ہی، ان کے پالتو جانور بھی بہت پریشان تھے، کیوں کہ اب ان کو روزانہ باہر جا کر گلیوں میں کچرے کے ڈھیر میں اپنی خوراک تلاش کرنی پڑتی تھی، جہاں گلی کے آوارہ کتے اور بلیاں ان کے دشمن بنے رہتے تھے۔ کافی عرصہ ایسا ہی چلتا رہا۔ ایک دن اچانک مایوس بیٹھے بیٹھے بلی نے خوشی کا ایک نعرہ لگایا اور اُچھل پڑی۔

(جاری ہے)

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

عقاب

عقاب (EAGLE) ایک شکاری پرندہ ہے۔اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم کا عقاب اتنا بڑا ہوتا ہے کہ بھیڑ اور بکری کے بچوں تک کو اُٹھا کر لے جاتا ہے۔ امریکا میں سنہرا عقاب بھی پایا جاتا ہے۔ یہ پہاڑ کی چوٹیوں پر اپنا گھونسلا بناتا ہے۔ قدیم زمانے میں اس پرندے کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قدیم رومن حکومت کے جھنڈوں پر عقاب کی تصویر ہوتی تھی۔ ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال نے عقاب کو شاہین کہا ہے اور اس کی مثال دے کر نوجوانوں کو جدوجہد پر اُبھارا ہے۔

کعبہ کا نظم ونسق چلانے کے لیے کئی عہدوں میں سے ایک عہدہ عقاب ہے۔ اس کا مقصد علم برداری تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوسفیانؓ اس عہدے پر فائز تھے۔

یادگارِ غالبؔ / یادگارِ حالیؔ

''یادگارِ غالبؔ''، مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کی حیات و خدمات پر خواجہ الطاف حسین کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ مرزا غالب ۱۷۹۷ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا مجموعہ دیوانِ غالب اور خطوط کے مجموعے ''عودِ ہندی'' اور ''اردوے معلیٰ'' مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ مرزا غالب کا انتقال ۱۸۶۹ء میں دہلی میں ہوا۔ خواجہ الطاف حسین حالی، مرزا غالب کے شاگرد رہے۔ انھوں نے یہ کتاب ۱۸۹۷ء میں لکھی تھی۔

یادگارِ حالی بھی ایک کتاب ہے، جسے صالحہ عابد حسین نے لکھا ہے۔ یہ خواجہ الطاف حسین حالی کی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے۔ صالحہ عابد حسین، خواجہ الطاف حسین حالی کی نواسی مشتاق فاطمہ کی صاحب زادی ہیں۔ اس طرح وہ خواجہ الطاف حسین حالی کی پڑنواسی ہوئیں۔

انجینئر

ارشمیدس کو دنیا کا پہلا انجینئر کہا جاتا ہے۔ وہ ۲۸۷ ق م (قبلِ مسیح، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۲۸۷ سال پہلے) پیدا ہوئے۔ انھوں نے علم میکانیات (مشینوں کا علم) کے اصول بنائے۔ ستاروں اور سیاروں کی حرکات معلوم کرنے کے آلات بھی بنائے۔ سونے میں کھوٹ معلوم کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔ انھوں نے مائع سکونیات (HYDROSTATICS) ٹھیرے ہوئے پانی کے علم سے متعلق کتاب ''تیرنے والے اجسام''، لکھی، جو اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب مانی جاتی ہے۔

اسی طرح مغل بادشاہ شہاب الدین شاہجہاں کو انجینئر بادشاہ کہا جاتا ہے۔ وہ مغل بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر کے بیٹے تھے۔ شاہجہاں کا اصل نام فرخ تھا۔ عمارتیں بنانے کا بے حد شوق تھا۔ آگرہ، دہلی، لاہور، کشمیر اور کابل میں عالی شان عمارتیں بنوائیں اور کئی خوب صورت باغ لگوائے۔ انھوں نے اپنی چہیتی ملکہ ممتاز محل کی یاد میں ''تاج محل''، تعمیر کرایا۔ اس کے علاوہ آگرہ کی موتی مسجد، دہلی کا لال قلعہ اور جامع مسجد، لاہور میں جہانگیر کا مقبرہ اور شالامار باغ بھی ان کی یادگاریں ہیں۔ ان کا دورِ حکومت ۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۸ء تک رہا۔

کم مدت کے عہدے

مغل بادشاہ ہمایوں کی فوج کا ٹکراؤ جب شیر شاہ سوری کی فوج سے ہوا تو اس دوران صلح کی بات چیت میں کچھ وقت گزر گیا۔ رات کو اچانک شیر شاہ سوری نے حملہ کر دیا۔ ہمایوں کی فوج منتشر ہو گئی۔ ہمایوں نے اپنا گھوڑا دریائے گنگا میں ڈال دیا۔ گھوڑا بے رحم ہو گیا۔ اتنے میں ایک بہشتی (ماشکی۔ مشک میں پانی پہنچانے والا) نظام سقہ، جو اتفاق سے کنارے پر موجود تھا، اس نے اپنی مشک کے ذریعے سے بادشاہ کو دریا سے نکال لیا۔ اس کے صلے میں ہمایوں نے دوبارہ بادشاہ بننے کے بعد نظام سقہ کو ڈھائی گھڑی یعنی ایک دن کی بادشاہت عطا کی۔ نظام سقہ نے اس مختصر عرصے میں اپنا سکہ بھی چلایا۔

کم مدت کے حوالے سے فرانس کا بادشاہ لوئیز انٹوئن (LOUIS ANTOINE) XIX (انیسواں) بھی مشہور ہے۔ وہ ۲-اگست ۱۸۳۰ء کو صرف پندرہ منٹ کے لیے بادشاہ بنا تھا۔

نیّر

نیّر، عربی میں بے حد چمکتے ہوئے ستارے کو کہتے ہیں۔ نیّر اصغر عربی میں چھوٹے چمکتے ستارے کو کہتے ہیں جیسے چاند۔ اسی طرح نیّر اعظم سے مراد نہایت روشن اور بڑا ستارہ ہے جیسے سورج۔

زبر اور پیش

مَنڈا، (م پر زبر) ہندی زبان میں خاص قسم کی مٹھائی، پتلی روٹی، آنکھوں کے جالے اور آنکھ کی جھلی کو کہا جاتا ہے۔

مُنڈا، (م پر پیش) ہندی زبان میں سر منڈے ہوئے، بے نوک جوتے، شاگرد یا مُرید اور بے سینگوں کے جانور کو کہتے ہیں۔ ☆

خوشیوں کا راز

جدون ادیب

ہمارے چچا زردار نے زندگی بہت مشکلوں میں گزاری، مگر پھر بھی وہ ہر وقت خوش اور مطمئن نظر آتے ہیں۔

چچی اپنی مثال آپ ہیں۔ ایک دن چچا کے خاص مہمان آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے چچی سے کہا کہ خوب صورت سی چاے بنا دو۔ ان کا مطلب تھا مزے دار چاے۔

چچی نے سوچا کہ ادرک، لہسن اور پودینے کے بغیر چاے خوب صورت نہیں بن سکتی۔ انھوں نے چاے میں یہ سب چیزیں ملا دیں۔ چچا اور مہمانوں نے چاے کا ایک گھونٹ بھرا تو ان کے ہوش اُڑ گئے۔

چچا نے صبر سے کام لیا۔ مہمانوں سے معذرت کی اور خود جا کر چاے بنا لائے۔

ایک دن وہ بہت شوق سے گائے کا گوشت لائے اور غلطی سے چچی کو یہ کہہ دیا کہ گوشت اچھی طرح دھونا۔

چچی گوشت دھونے لگیں تو خیال آیا کہ صابن کے بغیر یہ اچھی طرح نہیں دھل سکے گا۔ پہلے انھوں نے سوچا کہ کپڑے دھونے والے صابن سے گوشت کو دھویا جائے، مگر پھر زیادہ بہتر کارکردگی کے لیے نہانے کے خوش بو دار صابن سے گوشت کو خوب مل مل کر دھویا۔ اوپر سے برش سے ایک ایک بوٹی کو رگڑا۔ سالن پکانے کے بعد جب چچا کو کھانا دیا تو انھوں نے نوالہ لینے سے پہلے ہی کہہ دیا کہ سالن سے صابن کی بُو آ رہی ہے۔ شاید پلیٹ صحیح طرح دھلی نہیں تھی۔

چچی نے بتایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ گوشت کو اچھی طرح صابن سے دھویا ہے۔

شاید اسی کی بُو آ گئی ہے۔

چچا جانتے تھے کہ چچی بہت سادہ ہیں اور بہت سی باتوں کو ابھی نہیں سمجھتیں، اس لیے وہ ان کو بُرا بھلا نہیں کہتے تھے، بلکہ ان کی ہر غلطی کو درگزر کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ چچا چیکو لائے۔ چچی نے آلو سمجھ کر پکا دیے اور چچا کو کھانا پیش کرتے ہوئے کہا کہ کیسے عجیب آلو تھے۔ ہمارے گاؤں میں تو آلوؤں میں ایسے کالے کالے بیج نہیں ہوتے تھے۔

ایک بار بھنڈی پکائی تو کاٹنے کے بعد دوبارہ دھودی اور شیرا نما سالن چچا کے آگے رکھ دیا...... مگر چچا کو ان پر غصہ نہیں آیا۔

یہ میرے چچا کی کہانی تھی۔ ایک کہانی میرے گھر کی بھی ہے۔ میرے والد، امی کو ذرا ذرا سی بات پر بُرا بھلا کہہ دیتے۔ سخت تلخ کلامی کرتے اور ہر وقت غصے میں رہتے تھے۔ میں کافی حساس مزاج کا تھا۔ ذرا ذرا سی بات کا اثر لیتا تھا اور ابا کو اس بات کا بالکل احساس نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ چچا سے جاننا چاہیے کہ وہ کیسے چچی کی بے وقوفیاں برداشت کرتے ہیں۔ شاید کوئی راستہ مل جائے۔ جب ان سے ان کی مطمئن زندگی کا راز جاننا چاہا تو انھوں نے کہا کہ ہمیں ایک دوسرے کے قصور معاف کرنے چاہییں۔ ہم ایک دوسرے پر رحم کریں گے تو اللہ بھی ہم پر رحم کرے گا۔ جب کسی انسان پر غصہ آئے تو اس کی اچھی باتوں کو یاد کرنا چاہیے۔

چچا نے اور بھی بہت پیاری پیاری باتیں بتائیں، جن سے مجھے بہت حوصلہ ملا۔ میں نے سوچا، امی کو بھی حوصلہ دینا چاہیے۔ میں نے مناسب الفاظ میں ان کو تسلی دی اور کہا: ''میں جانتا ہوں، آپ ایک اچھی زندگی نہیں گزار رہیں، مگر آپ صبر کرنے والی ہیں، لہٰذا

جلد اللہ آپ کو اچھا صلہ دے گا۔''

امی نے حیرت سے میری طرف دیکھا، کچھ سوچا، خوب صورت انداز میں مسکرائیں اور بولیں: ''بیٹے! تم نہیں جانتے کہ تمھارے ابا کتنے اچھے انسان ہیں۔ وہ محنتی بھی بہت ہیں۔ ہمیں کسی تکلیف میں دیکھنا نہیں چاہتے۔ ان کا مزاج ضرور کچھ سخت ہے، مگر ہر انسان کی اپنی طبیعت ہوتی ہے۔ اسے بدلنا آسان نہیں ہوتا۔ میں نے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ مجھے ان کی کوئی بات بُری نہیں لگتی اور لگے بھی تو میں درگزر کرتی ہوں، بھول جاتی ہوں اور تمھارے ابا کی خوبیاں یاد کرتی ہوں۔ مجھے ان سے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے۔''

امی نے مجھے اور بھی سمجھایا کہ میں اپنے ابا کے سخت رویے کی وجہ سے پریشان نہ ہوا کروں۔ وہ تم سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ دنیا میں ہر قسم کے والدین ہوتے ہیں۔ کوئی انسان مکمل نہیں ہوتا۔ کچھ خوبیاں، خامیاں سب میں ہوتی ہیں۔ خود کو بدلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

جب ہم ماں بیٹا ایک دوسرے کو اپنا دکھڑا سنا رہے تھے تو اتفاق سے وہ اسی وقت آئے تھے اور انھوں نے ہماری سب باتیں سن لی تھیں۔ امی نے کبھی اُن کے سامنے ان کی تعریف نہیں کی تھی، مگر جب یہ باتیں سنیں تو واقعی انھوں نے اچھا بننے کا فیصلہ کر لیا۔

ابا کیا بدلے، گھر کا ماحول ہی بدل گیا۔ ننھی ارم پہلے سے زیادہ شوخ اور پُر اعتماد نظر آنے لگی۔ ابا ایسے زندہ دل ہو گئے کہ اب گھر میں ہر طرف مسرت بکھرنے لگی تھی۔ مجھے تو بعد میں پتا چلا کہ ابا کا مزاج کیسے تبدیل ہوا۔

انھوں نے ایک دن خود ذکر کر دیا۔ جب ابا مجھ سے امی کی تعریفیں کر رہے تھے، اسی وقت وہ چائے کی ٹرے تھامے ہماری طرف آتی نظر آئیں۔ وہ مسکرا رہی تھیں۔ ابا بھی انھیں دیکھ کر ہنس دیے۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ خوب صورت منظر نہیں دیکھا تھا۔ ☆

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری ہمدرد فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں کا ایک حصہ ہے۔ ہر مہینے پورے پاکستان میں ہزاروں مریضوں کا فری چیک اپ کر کے فری دوائیاں دی جاتی ہیں۔ یہ فری موبائل ڈسپنسریاں کراچی، لاہور، ملتان، بہاول پور، فیصل آباد، سرگودھا، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ، سکھر، حیدرآباد اور آزاد کشمیر میں مستحق مریضوں کا علاج کرتی ہیں۔

کراچی کے لیے چھے گاڑیاں درج ذیل علاقوں میں خدمت پر مامور ہیں:

غازی آباد، گلشن بہار، اورنگی نمبر 13، قائم خانی کالونی، بلدیہ ٹاؤن، نیوکراچی سیکٹر D-11، سیکٹر F-11، نئی آبادی، یوسف گوٹھ، لیاری ایکسپریس وے، خدا کی بستی، کورنگی نمبر 2، کورنگی سوکوارٹرز، کورنگی نمبر 4، دنگی گوٹھ، محمود آباد، عمر گوٹھ، ایوب گوٹھ، مدرسہ انوارالایمان، سلطان آباد، مدرسہ منبع العلوم، دھیل کالونی، اکبر گراؤنڈ، مہاجر کیمپ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 3، شفیع محلّہ (لال مسجد)، نورشاہ محلّہ، مواچھ گوٹھ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 7، مشرف کالونی بلاک سی، ایف، ای اور اے روڈ، لیاقت آباد پیلی کوٹھی، کوثر نیازی کالونی، مجید کالونی اور ملیر۔

خوش ذوق نونہالوں کے پسندیدہ اشعار



بیت بازی

یاں کے سپید وسیاہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا، یا دن کو جوں توں شام کیا

شاعر: میر تقی میر   پسند: فہیم ایان، ناظم آباد کراچی

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

شاعر: مرزا اسد اللہ خاں غالب   پسند: اسامہ منصور راجا، چکوال

فلک دیتا ہے جن کو عیش، ان کو غم بھی دیتا ہے
جہاں بجتے ہیں نقارے، وہاں ماتم بھی ہوتا ہے

شاعر: داغ دہلوی   پسند: [illegible]، لاہور

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں
بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں

شاعر: اکبر الٰہ آبادی   پسند: محمد ارسلان صدیقی، کراچی

دیتی ہے قتیل اکثر چہروں کی چمک دھوکا
ہر کانچ کے ٹکڑے کو ہیرا نہ کہا جائے

شاعر: قتیل شفائی   پسند: شائلہ ذیشان، ملیر

کچھ لوگ بچھا کر کانٹوں کو گلشن کی توقع رکھتے ہیں
شعلوں کو ہوا دے کر ساون کی توقع رکھتے ہیں

شاعر: ساغر صدیقی   پسند: [illegible]، حیدر آباد

سچے لفظوں کی کرامت ہے یہی
جا کے وہ دل پہ اثر کرتے ہیں

شاعر: سہیل غازی پوری   پسند: ماہ نور طاہر، ایف سی ایریا

رات بھر کے بیٹھے رہے دیدۂ بیدار کے ساتھ
ظلمتیں کم نہ ہوئیں صبح کے آثار کے ساتھ

شاعر: ظہیر کاشمیری   پسند: عائشہ صدیق، دستگیر

زخم کھا کر بھی [illegible]
اپنے [illegible]

شاعر: سلیم [illegible]   پسند: [illegible]، اسلام آباد

یہی تقاضا ہے اس [illegible] کا
[illegible]

شاعر: [illegible]   پسند: [illegible]، آباد

وہ روشنی کا اسم مجھ پہ ہے کہ میں دن میں
اندھیرے ڈھونڈ رہا ہوں دیے جلائے ہوئے

شاعر: رضی مجتبیٰ   پسند: محمد منیر نواز، ناظم آباد

جب نہ رکھتا ہو کوئی اپنے پڑوسی کا خیال
فائدہ کیا ہے [illegible]

شاعر: احمد نوید   پسند: [illegible]، کراچی

جس کا کردار نہ ہو اور نہ ہو جس کا ضمیر
ایسا انسان تو زندہ بھی ہو، مر جاتا ہے

شاعر: یونس ہمدم   پسند: خدیجہ صمد، کراچی

یہ سوچ کے ماں باپ کی خدمت میں لگا ہوں
اس پیڑ کا سایہ مرے بچوں کو ملے گا

شاعر: منور رانا   پسند: محمد عمر بن عبدالرشید، کراچی

فوری خبر

عشرت جہاں

''تو بھائی! اب کیا کریں اس تھیلے کا؟'' بڑے بھائی کے انداز نے ہمیں گڑبڑا دیا۔ اس سوال کا مقصد ہم سے مشورہ لینا نہیں تھا، بلکہ کرنا وہی تھا جو وہ ٹھان چکے تھے۔

''ب...... بھ...... بھائی! ہم کیا بتائیں!'' ہم گڑبڑا کر بولے: ''اگر ایسا ویسا کچھ ہوا تو اماں کی جوتی ہوگی اور...... اور...... ہماری کمریں۔''

''اماں کو بتائے گا کون؟'' ان کا انداز حسبِ معمول طنز سے بھرپور تھا۔

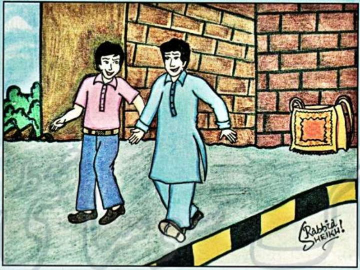
''ہم تو بتانے والے نہیں، لیکن...... اگر سامان کا یہ تھیلا خالہ محمودہ تک نہ پہنچا تو پھر خیر نہیں۔'' ہم نے اندیشہ ظاہر کر دیا۔

''اماں نے پہلے کبھی پوچھا ہے جو اب پوچھیں گی۔ پچھلی بار پھوپی حمیدہ کو جو سامان دیا تھا، اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔ ان کا فلسفہ ہی یہی ہے، دوسرے کی مدد اس طرح کرو کہ کسی کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو'' بھائی کا انداز فلسفیانہ تھا۔

''میں تو اسے پھینکنے والا ہوں۔ اب کون اتنی دور خالہ کو یہ تھیلا پہنچانے جائے۔'' انھوں نے حتمی انداز سے کہا: ''کوئی غریب، مستحق خود ہی تھیلے میں سے سامان نکال کر لے جائے گا۔''

''بھائی! اگر آپ نے تھیلا یہاں پھینک دیا تو اماں کا زنانہ ہتھیار ہوگا اور آپ کی کمر۔''

وہ ذرا دیر کو رکے، پھر ایک طرف سرخ اینٹوں کی بنی قدِ آدم دیوار کے ساتھ تھیلا رکھ کر اُلٹے قدموں لوٹ آئے اور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر تھوڑی دیر مٹرگشت کرنے کے بعد ہم



واپس گھر پہنچے۔ گھر میں داخل ہو کر حسبِ معمول ہم نے سلام کیا۔

''آ گئے میرے بیٹے!'' اماں ہمیں دیکھ کر کھل اُٹھیں۔

''محمودہ باجی کیسی تھیں؟'' پہلا رسمی سوال ہماری طرف آیا۔

''بالکل ٹھیک تھیں۔'' بڑے بھائی نے بھی رسمی جواب دیا: ''آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔''

''وعلیکم السلام۔'' کہتے ہوئے انھوں نے ہمیں ہاتھ منھ دھونے کا کہا۔ ہم بھی تابعداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھ دھو کر دسترخوان پر آ بیٹھے۔ اگلے دن چوں کہ چھٹی تھی، اس لیے خوب مزہ کیا۔ صبح دیر سے آنکھ کھلی۔ پچھلی رات کی جاسوسی فلم اب بھی ذہن

میں سمائی ہوئی تھی۔ بڑے بھائی ہم سے پہلے ہی صوفے پر موجود تھے۔ کوئی تفریحی پروگرام شدومد سے جاری تھا کہ اچانک بریکنگ نیوز نے پروگرام بریک کردیا۔ دھماکے دار آواز کے ساتھ ہی براڈکاسٹر کے ہیجانی انداز نے سب کو سانس روکنے پر مجبور کردیا۔

''ناظرین! اب سے کچھ ہی دیر پہلے ایک لاوارث تھیلا اہم سرکاری عمارت کی دیوار کے ساتھ نظر آیا ہے۔ سرکاری عمارت خالی کرائی گئی ہے۔''

یہ سن کر ہمارے کان کھڑے ہوگئے، جب کہ بڑے بھائی بھی سیدھے ہوکر بیٹھ چکے تھے۔ براڈکاسٹر کا ہیجانی انداز لحہ بہ لحہ بڑھ رہا تھا۔

''ایک لاوارث مشکوک تھیلے کی اطلاع ملی ہے۔ ناظرین! جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں، ایک نامعلوم، مشکوک تھیلا نظر آرہا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی ٹی وی اسکرین پر اس تھیلے کی تصویر دکھادی۔ اماں جتنا نمود و نمایش سے دور رہنا چاہتی تھیں، ٹی وی چینل نے اتنی ہی مشہوری کردی تھی۔

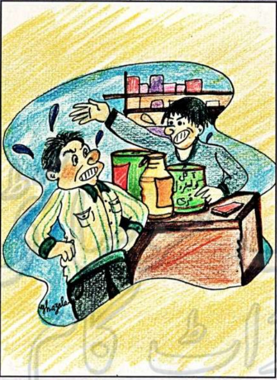
تھیلے کے اردگرد پولیس اور دیگر عملہ موجود تھا۔ ٹی وی پر بتایا جارہا ہے کہ سرکاری عمارت خالی کرالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ والا علاقہ بھی خالی کرایا جارہا ہے اور ناظرین! بم اسکواڈ کا عملہ بھی موقع پر پہنچ چکا ہے۔ نیوز کاسٹر کی آواز بازگشت کی صورت میں ہمارے کانوں میں گونج رہی تھی: ''ایک لاوارث تھیلا سرکاری عمارت کے ساتھ پایا گیا ہے۔ ایک تھیلا لاوارث، نامعلوم۔''

''ناظرین! ہمارے نمایندے ندیم سرخی آپ کو مزید معلومات دیں گے، جی ندیم! کیا دیکھ رہے ہیں آپ وہاں؟''



ندیم جو عبارت پڑھ رہے تھے تو سو پڑھ رہے تھے، لیکن اماں اسکرین کے قریب آ کر تھیلا ضرور دیکھ چکی تھیں، بلکہ پہچان چکی تھیں۔ یہ تھیلا اماں نے خود اپنے ہاتھوں سے سیا تھا اور ایسے کئی تھیلے وہ گھر میں سی چکی تھیں، جن میں عید، بقر عید کے موقعوں پر غریب رشتے داروں کے لیے وہ سامان بھجوایا کرتی تھیں۔ پولیس بے شک ہم سے دور تھی، مگر اماں اور اماں کا زنانہ ہتھیار یعنی چمٹا ہم سے دور نہ تھا۔ ہم نے بڑے بھائی کی طرف دیکھا، جن کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور وہ اُڑنے کے لیے پَر تول رہے تھے۔ بڑا ہونے کے باعث اس تواضع کے پہلے حق دار تو وہ خود تھے۔ ہم نے زور سے آنکھیں میچ لیں، کیوں کہ بڑے بھائی کی درگت بنتے دیکھنا حدِ ادب کے خلاف جو تھا۔ ☆

مسکراتی لکیریں



ایک صاحب بڑے غصے سے دکان میں داخل ہوئے اور دکان دار سے کہنے لگے: ''اس کوکنگ آئل کے ساتھ میرا فری گفٹ کہاں ہے؟ یہ دیکھو! ڈبے پر کیا لکھا ہے، کولیسٹرول فری۔''

لطیفہ : عائزہ خان، کراچی

بلاعنوان انعامی کہانی

ڈاکٹر عمران مشتاق



ایک بڑے انعام کا اعلان شہر کے ایک رئیس کی طرف سے کیا گیا تھا اور سب کے لیے ہی حیرت انگیز تھا۔ رئیس فطرتاً کنجوس واقع ہوا تھا، اس لیے اتنے بڑے انعام کی بات سب کے لیے حیرانی کا باعث تھی۔

علاقے کے رئیس کے پاس ایک بے حد قیمتی اور خوب صورت نیلا ہیرا تھا۔ ہیرا ایک اخروٹ کے برابر رہا ہوگا۔ اعلان کے مطابق رئیس کی ایک پالتو بطخ نے غلطی سے نیلا ہیرا نگل لیا تھا۔ جو بھی ہیرا برآمد کر لے گا، اسے ایک بڑے انعام کا مستحق سمجھا جائے گا۔

رئیس کا ایک ہی لڑکا تھا اور اسے کھیل تماشوں سے بے حد دل چسپی تھی۔ وہ کچھ دنوں سے بیمار تھا اور اُداس رہنے لگا تھا۔ طبیب کا خیال تھا کہ اگر وہ کسی صحت افزا مقام پر چلا جائے تو اس کی صحت ٹھیک ہو سکتی ہے یا پھر اس کے لیے کھیل تماشوں کا اہتمام کیا جائے۔ رئیس کو دوسرا مشورہ بہتر لگا کہ اس میں خرچ کم تھا۔ انھی دنوں ایک دوسرے شہر سے ایک شعبدے باز آیا ہوا تھا۔ رئیس نے اسے حویلی میں بُلا بھیجا۔ وہ خوشی خوشی چلا آیا۔ اس نے رئیس کی حویلی میں طرح طرح کے مزے دار کھیل دکھائے اور رئیس کا بیٹا بہت خوش ہوا، مگر رئیس کا منھ بنا رہا۔ رئیس کے بیٹے کو بیماری میں افاقہ محسوس ہوا اور وہ خوش رہنے لگا۔

شعبدے باز نے آخر میں جب اپنے انعام کا تقاضا کیا تو رئیس کہنے لگا: ''بھئی، بہت ہی فضول کھیل تماشے تم نے دکھائے ہیں اور ہمارا قیمتی وقت ضائع کیا ہے۔''

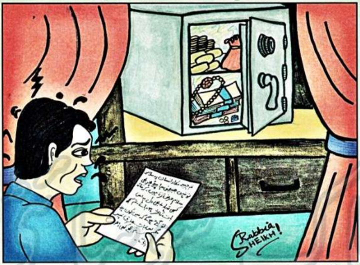
شعبدے باز کے تو پیروں سے زمین نکل گئی۔ گھبرا کر کہنے لگا: ''سرکار! ایسا تو نہ کہیں، میں ایک غریب آدمی ہوں۔ اسی طرح گھوم پھر کر اپنے بچوں کے لیے روزی کماتا ہوں۔''

رئیس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی: ''یہ تو ہمیں رحم آ گیا، ورنہ تمھارے جیسے شعبدے بازوں کو تو ہماری حویلی میں گھسنے ہی نہیں دیا جاتا۔ اب جاؤ، ہمارا دماغ نہ کھاؤ۔''

وہ گڑگڑانے لگا: ''آپ ہمارے مائی باپ ہیں۔ کچھ دے دیں گے تو میرے بچے دعا کریں گے۔''

رئیس کا دل ذرا بھی نہیں پسیجا: ''بھئی، اگر تمھارے بچے دعا نہیں دیں گے تو بھی ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

شعبدے باز نے بہت کوشش کی، مگر رئیس کے آگے اس کی دال نہیں گلی اور اسے مایوس ہو کر خالی ہاتھ واپس جانا پڑا۔ رئیس اپنی کارکردگی سے بہت خوش تھا کہ مفت کا تماشا



بھی دیکھ لیا اور جیب سے دھیلا بھی خرچ نہیں ہوا۔ دوسری طرف اس کا بیٹا بھی بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔ اسی دن رئیس کو ایک عجیب و غریب خیال سوجھا تھا۔

اعلان سننے کے بعد رئیس کی حویلی میں کئی لوگ جمع تھے۔ اس کا بیٹا اس ہلچل سے بہت خوش تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیسے بطخ کے پیٹ سے ہیرا برآمد کیا جاتا ہے۔ حویلی کے باغ میں ایک بڑا سا حوض تھا۔ اس حوض میں سفید رنگ کی چار بہت ہی خوب صورت بطخیں تیرتی رہتی تھیں۔ وہ بطخیں رئیس کو بہت عزیز تھیں۔

رئیس کے خاص ملازم نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا: ''ان چاروں بطخوں میں سے کسی ایک کے پیٹ میں ہیرا موجود ہے۔ بطخوں کو کوئی بھی نقصان پہنچائے بغیر ہیرا حاصل ہونا چاہیے۔ مقابلے میں حصہ لینے کے لئے پانچ ہزار کی فیس مقرر کی گئی ہے،

تاکہ رئیس کے دوستوں کے لیے تفریح کا سامان ہو سکے۔''

پہلے دن بہت سے لوگوں نے کوشش کی۔ بطخوں کو پکڑ کر اُلٹا لٹکایا گیا، جھلایا گیا اور پیٹ پر دباؤ ڈالا گیا، مگر ہیرا کسی کو بھی نہیں ملا۔ بطخوں نے البتہ مقابلے میں حصہ لینے والے کئی لوگوں کو ٹھونگیں مار مار کر انھیں عاجز کر دیا تھا۔

ایک رات کا ذکر ہے۔ رئیس سو رہا تھا کہ اسے ایسے لگا، جیسے ہلکا سا کھٹکا ہوا ہو۔ نیند اس قدر طاری تھی کہ وہ کروٹ لے کر بے خبر سو گیا۔

دوسرے دن بھی کوئی مقابلہ نہ جیت سکا۔ تیسرا دن مقابلے کا آخری دن تھا۔ مقابلے کے لیے آنے والے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ انھی لوگوں میں ایک چہرے کو دیکھ کر رئیس نے بُرا سا منھ بنایا۔ وہ وہی شعبدے باز تھا، جسے اپنے فن کی کوئی قیمت نہیں ملی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ مقابلے میں حصہ لینے والا آخری آدمی تھا۔

شعبدے باز نے سب کو سلام کیا، پھر غور سے چاروں بطخوں کو دیکھنے لگا۔ بطخیں حوض میں تیر رہی تھیں۔ شعبدے باز ان کے ساتھ ساتھ حوض کا چکر لگا رہا تھا۔ اچانک اس نے جھپٹ کر ایک بطخ کو اُٹھا لیا۔ اس نے بطخ کی چونچ کو یوں پکڑا تھا کہ اس کی ٹھونگوں سے محفوظ ہو گیا۔ اس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا: ''سب حضرات پوری توجہ فرمائیں۔ اب میں نیلا ہیرا آپ کے سامنے پیش کروں گا۔''

ملازم نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: ''یہ تمھیں کیسے پتا ہے کہ نیلا ہیرا اس بطخ کے پیٹ میں ہے؟''

وہ دھیرے سے مسکرایا: ''ابھی پتا چل جائے گا۔ بس چند لمحوں کی تو بات ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب میں سے گندھا ہوا آٹا نکالا۔

رئیس سمیت سب ہی اس کی حرکات کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔ خاموشی اور تجسس نے مل کر ایک پُر اسرار سا ماحول پیدا کر دیا تھا۔

شعبدے باز نے آٹے کا ایک چھوٹا سا پیڑا بنا کر بطخ کی چونچ پہ رکھ کر دبا دیا۔ بطخ کی چونچ اب کھل نہیں سکتی تھی۔ بطخ بے چاری نے بڑا زور مارا، مگر اس کے ہاتھ سے نہیں نکل سکی۔ پھر لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ بطخ کی گردن ایک عجیب انداز سے حرکت کر رہی تھی، جیسے کوئی چیز باہر آنے کے لیے بے تاب ہو۔

شعبدے باز اپنے مخصوص انداز میں بولا: ''حضرات! بس چند لمحے کی بات ہے اور پھر نیلا ہیرا آپ کے سامنے ہوگا۔''

ہر ایک کی نظر اس پر اور بطخ پہ جمی ہوئی تھی۔ شعبدے باز نے نہایت مہارت سے بطخ کی چونچ پہ لپٹے ہوئے آٹے کو ہٹایا اور دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ پر کوئی نیلی سی چیز چمک رہی تھی۔ اس نے قیمتی نیلا ہیرا برآمد کر لیا تھا۔

رئیس سمیت سب کے ہی منھ حیرت سے کھلے کے کھلے ہی رہ گئے۔

رئیس منھ ہی منھ میں بڑبڑایا: ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

ملازم نے پوچھا: ''کیا کیسے ہو سکتا ہے؟''

رئیس نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا: ''کچھ نہیں، بس ایسے ہی کچھ سوچ رہا تھا۔''

ملازم نے رئیس کے چہرے پہ نظر ڈالی اور پھر تیزی سے شعبدے باز کی جانب بڑھا۔ نیلے ہیرے کو ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ اس کے وزن کا اندازہ لگایا۔ رنگ روپ کو پرکھا اور پھر بولا: ''جوان! تم جیت گئے۔ تم نے رئیس کے قیمتی نیلے ہیرے کو حاصل کر کے ہم سب کے دل جیت لیے ہیں۔''

رئیس نے جب شعبدے باز کو انعام دیا تو اس کے چہرے پہ ایک انوکھی چمک تھی۔ رئیس کا چہرہ، البتہ مرجھایا ہوا تھا۔

اپنا انعام وصول کرنے کے بعد اس نے سرگوشی کے انداز میں رئیس سے کہا: ''آپ اپنی تجوری کی خبر ضرور لے لیجیے گا۔ سنا ہے، اس پہ دشمنوں کی بُری نظر ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لمبے لمبے قدم اُٹھاتے ہوئے حویلی سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد اسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔

رئیس بھاگا بھاگا اپنی تجوری تک پہنچا۔ تجوری کے لوہے کے مضبوط دروازے کو بند دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے تجوری کھولی۔ اوپر والے خانے میں کاغذ کا ایک ٹکڑا رکھا تھا۔ اس پہ کچھ لکھا ہوا تھا۔ اس نے بلند آواز پڑھنا شروع کیا: ''تم جیسے مکار انسانوں پہ سلامتی تو نہیں بھیجنی چاہیے، پھر بھی سلام عرض کرتا ہوں کہ شاید کبھی تمھارے بھی دل پہ اس بات کا اثر ہو جائے۔ تم سمجھ تو گئے ہو گئے کہ میں کون ہوں، مگر اس بات سے فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اب تم مجھے کبھی نہیں ڈھونڈ پاؤ گے۔ تم نے مجھے اپنے بیمار بیٹے کی خوشی کے لیے بلایا اور بغیر کوئی معاوضہ دیے اپنی شان دار حویلی سے نکال دیا۔ میں نے اسی دن سوچ لیا تھا کہ تمھیں اس بات کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی۔ اتفاق سے مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا، کیوں کہ تمھاری لالچی طبیعت نے فوراً ہی پیسے کمانے کی ایک نئی ترکیب ڈھونڈ لی۔ تمھاری حقیقت جاننے کے لیے ایک رات میں تمھارے کمرے میں داخل ہوا۔''

رئیس کو وہ رات یاد آ گئی، جب اس کی آنکھ کسی قسم کے کھٹکے سے کھل گئی تھی۔

اس نے خط آگے پڑھنا شروع کیا: ''تمھاری تجوری کھولنا میرے لیے بالکل بھی مشکل ثابت نہیں ہوا۔ تجوری میں اوپر والے خانے میں جگ مگ کرتے نیلے ہیرے کو دیکھ کر میں نے تمھاری بدنیتی کو جان لیا۔ میں نے نیلا ہیرا نکال لیا۔ اس کے سوا میں نے کسی چیز کو نہیں چھوا۔''

رئیس نے جلدی سے تجوری کے باقی خانوں پہ نظر ڈالی۔ بظاہر تو کوئی بھی چیز اپنی جگہ سے غائب نہ تھی۔

خط کی آخری چند سطریں بھی رئیس نے پڑھ ڈالیں: ''نیلا ہیرا ایک دفعہ میں نے تمھارے بیٹے کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔ میں نے نیلے ہیرے کی نقل بنوائی اور یہ کام بھی میرے لیے مشکل نہ تھا۔ میں مقابلے میں شریک ہوا اور پھر نظر بچا کر کوٹ کی آستین سے نقلی نیلا ہیرا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لوگوں کو ایسا لگا جیسے بطخ کی چونچ سے ہیرا برآمد ہوا ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم اس معاملے کو یہیں پر ہی ختم کرنا چاہو گے اور رہی نیلے ہیرے کی بات تو وہ میں نے اپنی مزدوری سمجھ کر رکھ لیا ہے۔ اپنے بیٹے سے ضرور پوچھنا کہ اسے میرے کھیل کیسے لگے تھے؟''

رئیس کو یاد تھا۔ اس کا بیٹا اس سے ناراض ہوا تھا کہ اس نے شعبدے باز کو کھیل دکھانے کا معاوضہ کیوں نہیں دیا؟ وہ صرف ہنس کر رہ گیا تھا۔

اصل بات یہ تھی کہ نیلے ہیرے والا چکر اس نے پیسے کمانے کے لیے چلایا تھا۔ نیلا ہیرا بطخ نے نہیں نگلا تھا۔ اس نے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ایسا کیا تھا۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ 99 پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- اکتوبر ۲۰۱۷ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال



صبیحہ وحید، جگہ نامعلوم — محمد سجاد ملک، حیدرآباد

محمد عاقل اسماعیل، کراچی — محمد عبدالحماض، کراچی

نرگس نسیم، چکوال — محمد بلال یوسف، جھنگ صدر

آبِ زم زم کی کہانی

صبیحہ وحید، جگہ نامعلوم

جو لوگ حج یا عمرہ کر کے آتے ہیں، وہ اپنے ساتھ آبِ زم زم ضرور لاتے ہیں۔ یہ ایک چشمہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ایڑیاں رگڑنے سے جاری ہوا۔

حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے بعد حضرت ابراہیمؑ اللہ کے حکم سے انھیں اور اپنی بیوی حضرت حاجرہؓ کو لے کر سفر پر نکلے اور اس جگہ پر ٹھیرے، جہاں کعبۃ اللہ ہے۔ یہ جگہ بالکل ویران تھی اور آس پاس کوئی آبادی بھی نہیں تھی۔ وہاں پر آپ ابراہیمؑ نے حضرت حاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو چھوڑا اور واپس چل پڑے۔

حضرت حاجرہؓ حیران تھیں کہ وہ اس ویرانے میں کیا کریں گی، کیوں کہ ان کے پاس چند کھجوروں اور پانی کی ایک چھاگل کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں تو معصوم اسماعیلؑ پیاس کی شدت سے پریشان ہو کر رونے لگے۔ حضرت حاجرہؓ ایک پہاڑی پر چڑھ کر دور تک پانی کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگیں، مگر مایوس ہو کر نیچے اُتر آتیں۔ اس پہاڑی کو صفا کہتے ہیں۔ پھر کچھ دیر بعد دوبارہ دوسری پہاڑی کی طرف دوڑیں اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں کہ شاید کہیں پانی کے آثار

نظر آئیں ۔ اس پہاڑی کا نام مروہ ہے۔ جب وہاں سے بھی کچھ نظر نہیں آیا تو مایوس ہو کر پھر واپس بچے کے پاس آ جاتیں۔

حضرت حاجرہؑ اسی طرح چکر لگاتی رہیں۔ یہاں تک کہ سات چکر ہو گئے۔ اس دوران بچے پر بھی نظر ڈالتی رہیں، کیوں کہ بچے کی پیاس سے بہت پریشان تھیں۔ ساتویں چکر کے بعد وہ بچے کی طرف دوڑیں تو دیکھتی ہیں کہ جہاں حضرت اسماعیلؑ روتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رہے تھے، وہاں سے پانی نکل کر بہ رہا ہے۔ انھوں نے دوڑ کر بہتے پانی کو روکنے کے لیے مٹی کی رکاوٹ بنائی، ساتھ ہی ''زم زم'' کہتی جاتیں، یعنی رک جا، رک جا مگر یہ پانی اللہ کے حکم سے جاری ہوا تھا، کیسے رک سکتا تھا۔ انھوں نے خوب پانی پیا۔ پانی نہایت ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ یہ پانی حضرت حاجرہؑ کے وہاں مستقل قیام کا سبب بنا اور حضرت حاجرہؑ اس لق و دق صحرا میں اپنے بیٹے کے ساتھ زندگی گزارنے لگیں۔

کچھ عرصے بعد ایک قبیلے کا وہاں سے گزر ہوا۔ وہ قافلے کی صورت میں سفر کر رہے تھے۔ پانی دیکھ کر رک گئے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا، کیوں کہ صحرا میں پانی ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو حضرت حاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے طفیل آباد کیا اور اس پانی جو کہ آبِ زم زم کہلایا، قیامت تک کے لیے لوگوں کے فیض کا باعث بنا دیا اور حضرت حاجرہؑ کا صفا اور مروہ پر دوڑنا بھی حج اور عمرے کا اہم رکن بن گیا۔ تمام مسلمان حج اور عمرہ کے موقع پر سات چکر لگاتے ہیں۔ اس طرح حضرت حاجرہؑ کے اس عمل کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

مستقبل کے معمار

مرسلہ : محمد عاقل اسماعیل، کراچی

ہر روز چھٹی کے طلب گار ہیں
ہر لمحہ کھیلنے کو تیار ہیں
فیس بک کے سارے پرستار ہیں
کہنے کو مستقبل کے معمار ہیں

نہیں کریں گے پڑھائی پر محنت
ہے عبادت ان کے لیے اک مصیبت
گھر والوں کے لیے یہ بے کار ہیں
کہنے کو مستقبل کے معمار ہیں

بھائے کہاں ان کو اپنی ثقافت
حلیہ ان کا کرے اس پر دلالت
آئیڈیل ان کے سارے اغیار ہیں
کہنے کو مستقبل کے معمار ہیں

یارب، پیدا ہو ان میں جذبۂ جنوں
خوب حاصل یہ کریں علم و فنوں
ماں باپ کے دلوں کا قرار ہوں
قوم کے مستقبل کے معمار ہوں

حسد کی مار

نرگس نسیم، چکوال

کومل ایک پیاری سی بچی تھی۔ اس کے والد فوت ہو چکے تھے۔ والدہ لوگوں کے گھروں میں کام کر کے گزر بسر کرتی تھیں۔

کومل کی والدہ سوچتی کہ اگر آج میں پڑھی لکھی ہوتی تو مجھے لوگوں کے گھروں میں کام نہ کرنے پڑتے۔ وہ کومل کو پڑھا لکھا کر اپنے پیروں پر کھڑا کرنا چاہتی تھیں۔ کومل خود بھی دل لگا کر پڑھا کرتی، چوں کہ ذہین اور خوش اخلاق تھی۔ اس لیے سب اسکول ٹیچر اس سے پیار کرتے تھے۔

کومل کی کلاس میں ایک لڑکی لائبہ بھی پڑھتی تھی، جو امیر ماں باپ کی بیٹی تھی، مگر انتہائی نالائق۔ وہ کومل سے بہت حسد کرتی تھی اور اسی حسد کی وجہ سے وہ آئے روز کومل کو بہت تنگ کرتی۔ کومل، لائبہ کی تمام تر زیادتیاں خاموشی سے برداشت کرتی تھی۔ کومل ساتویں کلاس کی طالبہ تھی۔ جب سالانہ امتحانات میں کومل نے پورے اسکول میں اول پوزیشن حاصل کی تو ہر طرف سے اس کی تعریف ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر لائبہ بہت جلنے لگی اور اس نے کومل کو پہلے سے

زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی موقعے کی تلاش میں رہنے لگی کہ کوئی ایسا موقع ملے تو کومل کو اسکول ٹیچروں کی نظروں میں گراؤں اور بہت جلد اسے موقع مل گیا۔

ان کی کلاس ٹیچر بریک ٹائم میں اپنی کلاس میں بیٹھ کر لڑکیوں کے امتحانات کے پرچے چیک کر رہی تھیں۔ ٹیچر نے کومل سے کہا کہ میری مدد کرواؤ۔ اس دوران ٹیچر کسی کام سے باہر گئیں تو لائبہ فوراً اندر آ گئی۔ کومل اپنے کام میں مصروف تھی۔ لائبہ نے ایک طرف رکھے ٹیچر کے بیگ سے ساری رقم نکالی اور باہر چلی گئی۔ کومل نے نمبروں کی گنتی چیک کر کے پرچے ٹیچر کو دے دیے۔ ٹیچر پیپر لے کر اسٹاف روم میں چلی گئیں۔ لائبہ نے موقع دیکھ کر رقم کومل کے بیگ میں رکھ دی۔

بریک کے بعد جب ٹیچر کو رقم کی گمشدگی کا پتا چلا تو انھوں نے سب سے پوچھا، تمام لڑکیوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ایسے میں لائبہ نے کہا:

''ٹیچر! کومل بریک ٹائم میں اندر تھی۔ آپ اس کا بیگ دیکھیں۔''

کومل کو بہت غصہ آیا، مگر بیگ اُٹھا کر ٹیچر کے پاس چلی گئی اور کہا کہ آپ بے شک میرا بیگ دیکھ لیں اور ساتھ ہی بیگ کو ٹیچر کی میز پر اُلٹ دیا، مگر یہ کیا......! رقم تو بیگ سے نکل آئی۔ رقم دیکھ کر کومل خود بھی حیران ہو گئی اور سارا ماجرا سمجھ گئی۔ جب کہ اس کے برعکس ٹیچر کو بہت غصہ آیا اور کومل کو خوب ڈانٹا۔ کومل نے بہت اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا، مگر ٹیچر نے یقین ہی نہیں کیا۔ کومل نے اپنی عزت کی خاطر اسکول چھوڑ کر کسی اور اسکول میں داخلہ لے لیا۔

وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ کومل اسکول ٹیچر بن گئی۔ کومل کی والدہ بہت بیمار رہنے لگی تو کومل نے اپنی والدہ سے کہا کہ میں آپ کو ایک نوکرانی لگوا دیتی ہوں۔ آپ اب گھر کے کام مت کیا کریں۔ پڑوسن سے ذکر کیا تو اس نے کام والی کو اس کا گھر دکھا دیا۔

کومل صبح سویرے اسکول چلی جاتی اور شام کو آتی، تب تک نوکرانی کام کر کے واپس چلی جاتی۔ اسی لیے ابھی تک اپنی نوکرانی سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ اتوار کو چوں کہ وہ گھر میں موجود تھی، اس لیے نوکرانی پر نظر پڑتے ہی حیرت سے دنگ رہ گئی۔

''لائبہ تم!'' کومل یہ کہتے ہی آگے بڑھی تو لائبہ گھبرا گئی۔ اسے بڑی مشکل سے تو کام ملا تھا اور اب تو کومل اپنا بدلہ لے لے گی۔ اس نے ایک ایک لمحے میں سوچ لیا، مگر کومل نے ایسا کچھ نہیں کیا اُلٹا لائبہ کو اس حال میں دیکھ کر بہت پریشانی ہوئی اور لائبہ سے پوچھا۔

لائبہ نے بتایا کہ جب سے تم اسکول سے نکلی ہو، ہمارے حالات خراب ہونے لگے۔ ابو کا کاروبار تباہ ہوا۔ قرضے چڑھے تو ان کو ہارٹ اٹیک ہو گیا اور وہ وفات پا گئے۔ پھر تو دکھوں اور پریشانیوں نے ہمارا گھر دیکھ لیا۔ والد کے مرنے کے بعد تمام اثاثے بینک والوں نے لے لیے کہ ابو نے بینک والوں سے قرصہ لیا ہوا تھا۔ جو بچا تھا، اسے بیچ کر ہم ماں بیٹی گزارا کرنے لگے، مگر کب تک یونہی چلتا۔ بہت جلد ہم بے گھر ہو گئے۔ پڑھائی میں پہلے ہی دل نہیں لگتا تھا۔ شاید میرے والد کی وجہ سے اسکول ٹیچر مجھے پاس کر دیتی تھیں۔ مجبور ہو کر امی نے لوگوں کے گھروں میں کام کرنا شروع کر دیا۔ اب امی سے کام نہیں ہوتا تو ان کی جگہ میں کام کرتی ہوں۔

''کومل! مجھے یقین ہے کہ مجھے تمھاری بددعا لگی ہے۔ پلیز، مجھے معاف کر دو۔'' لائبہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو کومل نے آگے بڑھ کر لائبہ کے ہاتھ تھام کر اسے گلے سے لگا لیا۔

کومل نے خلوص دل سے کہا: ''لائبہ! میں نے تو تمھیں کبھی بددعا نہیں دی، مگر شاید تمھیں تمھارا حسد کھا گیا۔ مجھے تمھارا مستقبل تباہ ہونے کا دکھ ہے، مگر اب تم رو مت۔ آج سے تم میری بہن ہو۔ اپنی امی کو بھی لے آؤ۔

ویسے بھی میری امی اکیلی ہوتی ہیں اور کچھ ہی دنوں بعد دیکھنا! تم میں کیسی تبدیلی آئے گی۔''

یوں کومل، لائبہ کی امی کو گھر لے آئی اور لائبہ کو گھر پر ہی تعلیم دینے لگی کہ وہ اتنا تو پڑھ سکے کہ معاشرے میں اپنا مقام بنا سکے۔ لائبہ کومل سے بے حد شرمندہ تھی، مگر ساتھ ہی اسے خوشی تھی کہ اسے کومل مل گئی اور کومل نے اسے معاف بھی کر دیا، ورنہ آخرت میں اسے نہ جانے کیسی سزا ملتی۔

سبزی

مرسلہ : محمد سجاد ملک، حیدر آباد

چلو بازار سے اب سبزی بھی لائیں
مرغی کھائی، بہت، اب سبزی بھی کھائیں
خریدو گوبھی اور آلو بھی لاؤ
لیکن پہلے طے کر لینا بھاؤ
لوکی، بینگن اور بھنڈی لے کے آنا
جو مہنگے مٹر ہوں تو ہر گز نہ لانا
دھنیا، پودینا، مرچیں جو پاؤ
کرنا یہ کوشش کہ مفت ہی وہ لاؤ
ٹماٹر لے آنا، جو مل جائیں اچھے
صحت ہی بنے گی اگر وہ کھاؤ کچے
ہر اک سبزی کو اچھی طرح سے دھونا
جو پیاز کاٹو تو بالکل مت رونا
مسالا بنالو تو سبزی کو اس میں ڈالو
ذرا دھیرے سے ہنڈیا کو پھر ہلالو
لو ہوگئی سب تیار مزے دار سبزی
چٹپٹی بھی ہے اور خوشبو بھی پیاری

چھوٹی سی نیکی

محمد عبدالحماض، کراچی

فضل الٰہی آج بہت خوش تھا۔ وہ آج اپنے سب سے بڑے بیٹے کو شہر کے نامور کالج میں داخلہ دلا کر واپس آ رہا تھا۔ اللہ کے کرم سے ہاسٹل میں رہنے کا بھی انتظام ہو گیا تھا۔ فضل الٰہی کوئی بہت امیر آدمی نہیں تھا۔ گاؤں میں اس کے پاس دو مربع زمین تھی، لیکن اس کی خوش حالی سے لوگ حسد کرتے تھے۔ فضل الٰہی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتا تھا۔ وہ

بہت زیادہ عبادت گزار تھا اور نہ اس نے حج کیا تھا۔ ایک ایسا عمل تھا جو شروع سے آج تک اس نے نہیں چھوڑا تھا۔

جب بھی اس کی زمینوں سے گندم کی فصل اُترتی تھی تو اس کا ایک حصہ الگ کر لیتا تھا۔ اس حصے کو وہ پسوا کر رکھ دیتا اور جب اسے خبر ملتی کہ کسی گھر میں آج پکنے کو کچھ نہیں ہے تو اس گھر میں یہ پسا ہوا اناج خاموشی سے پہنچا دیتا۔ کسی کو بھی اس معمول کی خبر نہیں تھی۔ سب یہی سوچتے کہ یہ اپنی فصل مہنگے داموں میں بیچ دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اتنا خوش حال ہے۔

دن یوں ہی گزر رہے تھے کہ اچانک سیلاب آ گیا۔ فیض پور سمیت آس پاس کے گاؤں بھی سیلاب کے لپیٹ میں آ گئے تھے۔ ابھی ابھی فصل اُتری تھی۔ لوگ اپنی فصل بیچ بھی چکے تھے۔ صرف گھر کی ضرورت کے لیے نکال لیا تھا۔ سب نے بطور حفاظت اپنا ضروری سامان پہاڑوں پر پہنچا دیا۔

خدا خدا کر کے دو ہفتوں بعد سیلاب کا پانی اُترا تھا تو لوگوں نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ سب لوگ اپنے گھروں کی مرمت کرنے لگے۔ فضل الٰہی نے بھی اپنے گھر کی مرمت کی اور زمینوں کا جائزہ لیا۔ زمین ابھی اس قابل نہیں تھی کہ اس پہ کوئی فصل اُگائی جا سکتی، پھر بھی اس نے ضرورت مندوں کو اناج دینا ترک نہیں کیا تھا۔ آخر اس کی اناج کی بوریاں بھی خالی ہونے لگیں۔

ایک رات وہ اسی فکر میں تھا کہ کچھ دنوں بعد وہ کیا کرے گا۔ اسی فکر میں وہ رات کو سویا تو خواب میں اسے ایک نورانی صورت والے بزرگ دکھائی دیے۔ انھوں نے نرمی سے کہا: ''تُو فکر کیوں کرتا ہے! تیرے اناج کی بوریاں خالی نہیں ہوں گی، کیوں کہ اللہ نے تجھے بہت سے لوگوں کی خدمت پر مامور کیا ہوا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئے۔

صبح آنکھ کھلی تو گودام میں جا کر دیکھا۔

اناج کی سب بوریاں بھری ہوئی تھیں۔ وہ بے ساختہ سجدے میں گر گیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اسے لوگوں کے کام آنے کی توفیق دی۔

اصلی خزانہ

محمد بلال یوسف، جھنگ صدر

''عمران، عرفان، حفیظ، اصغر اور میں یعنی عثمان دسویں جماعت کے طالب علم تھے۔ ہم لوگوں کا ایک گروپ تھا۔ کلاس میں اکٹھے ہی بیٹھتے تھے۔ پڑھتے ہم بالکل نہیں تھے، کیوں کہ پڑھنے کا شوق ہی نہیں تھا۔ گھر والے ہم سے، بہت تنگ تھے، لیکن ہم کیا کر سکتے تھے! جب ہمارا دل ہی نہیں لگتا تھا تو کیسے پڑھتے۔

ایک دن عمران کو ایک بوسیدہ کاغذ ملا، جس پر ایک خزانے کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اتفاق سے وہ مقام سبز پہاڑ اتنا دور نہ تھا۔ ہم نے اتفاق رائے سے فیصلہ کیا کہ اتوار کو خزانے کی تلاش میں نکلیں گے۔

اتوار کو ہم چاروں دوست ضروری سازو سامان سے لیس ہو کر خزانے کی تلاش میں نکل پڑے۔

ہمارا رُخ شمال کی جانب سبز پہاڑ کی طرف تھا۔ چار آدھا گھنٹا چلنے کے بعد ہمیں سبز پہاڑ دکھائی دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہم غار کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ ہم قرآنی آیات پڑھ کر غار کے اندر داخل ہو گئے۔ اندر بالکل اندھیرا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے ہم کسی اندھیری قبر میں داخل ہو گئے ہوں۔ میں نے جیب سے ٹارچ نکالی اور روشن کر دی۔ عمران نے جیب سے نقشہ نکالا اور ہم اس نقشے کے مطابق آگے بڑھنے لگے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ میرے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ ہاتھ اتنا وزنی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے منوں پتھر رکھ دیا ہو۔ میرے جسم میں خود سے تھرتھراہٹ کی لہر دوڑ گئی: ''کک......کون ہو تم؟'' میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا......؟'' سب میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے سب کو صورتِ حال بتا دی۔ سب کے چہروں پر خوف کے مارے ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ ہم نے آیت الکرسی کا وِرد کرنا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ آگے قدم

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



بڑھانے لگے۔

اچانک ہمارے سروں سے ایک چمگادڑ تیزی سی گزری۔ ہم ٹھٹک کر رک گئے۔ یک دم وہاں دھواں چھایا اور تھوڑی دیر بعد ایک خوف ناک شکل کا جن نمودار ہو گیا۔ مارے خوف کے ہم ایک دوسرے سے چپک گئے۔

''تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟'' جن نے گرج دار آواز میں کہا۔

ہم میں سے کسی کی بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ہم خوف سے کانپ رہے تھے۔

''جلدی بولو، ورنہ میں تمھیں ابھی جلا کر راکھ کر دوں گا!''

''ہم خزانہ حاصل کرنے کے لیے آئے تھے۔'' عمران نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔

''تم ہمیں کچھ نہ کہو۔ ہم تمھیں آدھا خزانہ دے دیں گے۔'' اصغر نے عمران کو بولتے دیکھ کر کہا۔

جن نے خوف ناک انداز میں قہقہہ لگایا اور بولا: ''مجھے خزانہ نہیں چاہیے، لیکن میری بات غور سے سنو! اگر تم لوگ اس خزانے کو حاصل کر کے بعد اسے اچھے طریقے سے استعمال نہ کر سکے تو میں تمھیں چبا ڈالوں گا۔'' یہ کہہ کر جن غائب ہو گیا۔ جیسے ہی جن غائب ہوا، ہم نے سکون کا سانس لیا اور آگے بڑھ گئے۔

''یہیں خزانہ موجود ہے۔'' اچانک عمران کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ ہم ایک دفعہ پھر عمران کے ہاتھ میں موجود نقشے کو دیکھنے لگے۔ خوشی سے ہماری باچھیں کھل گئیں، کیوں کہ ہم نے خزانے والی جگہ پالی تھی۔ اوزار وغیرہ ہم اپنے ہی ساتھ لائے تھے، اس لیے ہم نے کھدائی شروع کر دی۔ کافی دیر کھدائی کرنے کے بعد میرے ہاتھ میں موجود کدال کسی ٹھوس چیز سے ٹکرائی اور زوردار آواز پیدا ہوئی۔

''مل گیا خزانہ۔'' میں نے خوشی سے اُچھلتے ہوئے کہا۔ ہم سب اسی جگہ پر کھدائی کرنے لگے۔ آخر گڑھے سے ایک صندوق برآمد ہوا۔ عمران نے صندوق باہر نکالا۔ ہم اس صندوق کو غور سے دیکھنے لگے۔ یہ صندوق بہت پرانا معلوم ہو رہا تھا اور اس پر ایک مضبوط تالا لگا ہوا تھا۔

''یہ کیا، اس تالے کے ساتھ اس کی چابی بھی ہے!'' حفیظ خوشی سے اُچھلتا ہوا بولا۔

اصغر جلدی جلدی اس چابی سے تالا کھولنے لگا۔ تالا کھل گیا۔ ہم نے صندوق کو جیسے ہی کھولا، اندر سے ڈبا برآمد ہوا۔ عرفان نے ڈبے کو کھولا۔ ڈبا کھلتے ہی ہم حیرت زدہ رہ گئے، کیوں کہ اس ڈبے کے اندر ایک اور ڈبا رکھا ہوا تھا۔

''ہم اسی طرح ڈبے نکالتے رہ جائیں گے کیا؟'' اصغر نے سر پکڑتے ہوئے کہا۔

''اچھا چھوڑو، اب اس ڈبے کو کھولتے ہیں۔'' یہ کہہ کر حفیظ نے اس ڈبے کو کھولا تو اس کے اندر سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکل آئی۔ میں نے بے تابی سے ڈبیا کھول دی، کیوں کہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ ضرور اس میں خزانہ برآمد ہوگا۔ میں نے جیسے ہی ڈبیا کھولی تو مارے حیرت کے میرا منھ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس میں ایک پرچی رکھی تھی۔ میں نے اسے کھولا۔ اس پر لکھا تھا: ''علم حاصل کرو، کیوں کہ علم ہی اصلی خزانہ ہے۔'' ہم سب کے یہ پڑھتے ہی منھ لٹک گئے۔ میں تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔

''اتنی محنت کی اور خزانہ دیکھو کیا ملا! جس سے مجھے پہلے ہی چڑ تھی۔'' اصغر نے منھ بناتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تک ہم چاروں دوست خزانے کے نام پر بے وقوف بنانے والے کو بُرا بھلا کہتے رہے، پھر اچانک ہمیں جن یاد آ گیا۔ میں نے کہا: ''تم سب جن کی بات بھول گئے ہو! اس نے کہا تھا، تمھیں جو خزانہ ملے، اسے اچھے طریقے سے استعمال کرنا ہے، ورنہ وہ ہمیں مار ڈالے گا۔''

''ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ بھئی، میں تو اب دل لگا کر پڑھوں گا۔'' حفیظ نے منھ پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

ہم سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور اپنا اصلی خزانہ حاصل کرنے کے لیے واپس مڑے۔ واپسی پر ہمیں کسی جن، بھوت سے واسطہ نہ پڑا۔ ہم اصل خزانے کا راز لے کر صحیح سلامت گھر پہنچ گئے۔

☆☆☆

ہنڈ کلیا

چکن جلفریزی پرویز حسین، کراچی

مرغی کا گوشت (بغیر ہڈی) : آدھا کلو / تیل : حسبِ ضرورت / شملہ مرچ : دو عدد

ٹماٹر: چار عدد / پیاز : چار عدد / لہسن، ادرک پیسٹ : ایک چمچہ

گرم مسالا (پسا ہوا) : آدھا چمچہ / نمک : حسبِ ذائقہ

ترکیب: مرغی کے گوشت کی مناسب سائز کی بوٹیاں بنالیں۔ تیل گرم کر کے لہسن، ادرک پیسٹ میں بوٹیوں کو ڈبو کر ہلکا سنہرا کر لیں۔ بعد میں باقی تمام چیزیں مناسب سائز میں کاٹ کر شامل کر کے اچھی طرح سے پکالیں۔ مزے دار چکن جلفریزی تیار ہے۔ تندوری نان کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کسٹرڈ ایپل جیلی آئس کریم عائشہ محمد خالد قریشی، سکھر

کسٹرڈ (پسندیدہ فلیور) : ایک کپ / جیلی (پسندیدہ فلیور) : چار کھانے کے چمچے

کیک پیس : ایک عدد (درمیانہ) / دودھ : حسبِ ضرورت

سیب (چھیل کر بیج نکال لیں) : ایک عدد (درمیانہ) / چینی : حسبِ ضرورت

چاکلیٹ اسٹک : دو عدد

ترکیب: ایک برتن میں دودھ گرم کر کے اس میں چینی حل کریں، پھر کسٹرڈ ڈال کر پکائیں۔ سیب کی قاشیں کاٹ کر گرائنڈ کر کے کسٹرڈ میں ڈالیں، ساتھ ہی کیک پیس ملا کر سب چیزوں کو ہلکی آنچ پر پکا کر گاڑھا کر لیں۔ اس آمیزے کو آئس کریم کپ میں نکال کر اوپر جیلی سجا دیں۔ اسے فریج میں خوب ٹھنڈا کر کے اوپر چاکلیٹ اسٹک لگا کر پیش کریں۔ ☆

ہمدرد نونہال اسمبلی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... رپورٹ : حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں مہمانِ خصوصی معروف ماہر تعلیم اور ٹیچر ز ٹرینر محترمہ پروفیسر شازیہ اکبر تھیں۔ محترم ڈاکٹر فرحت عباس اور محترم نعیم اکرم قریشی نے بھی شرکت کی۔ موضوع تھا:

''ایک ہوئے تھے تو بنا تھا پاکستان، ایک ہوں گے تو بچے گا پاکستان''

اسپیکر اسمبلی عائشہ اسلم تھیں۔ تلاوتِ قرآن مجید، محمد تیمور نے، حمدِ باری تعالیٰ طلحہ خان نے اور نعتِ رسولِ مقبول ؐ تبسم حیدر نے پیش کی۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے اپنے پیغام میں کہا کہ پاکستان کے حصول میں ہمارے اسلاف کی بے مثال جدو جہد اور مسلمانانِ برصغیر کی نا قابل فراموش جانی و مالی قربانیوں کے علاوہ ایک اہم عنصر اتحادِ ملت بھی تھا۔ فرقہ، قومیت اور زبان سے بالاتر ہو کر تمام مسلمانانِ ہند نے اجتماعیت کا ثبوت دیا تو آزادی کی منزل ہمیں حاصل ہوئی۔ ان دنوں ہم تمام پاکستانی لسانی، علاقائی اور فرقہ ورانہ تفرقوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ قومی مسائل سے عہدہ برآمد ہونے کے لیے ہمیں ایک بار پھر حصول پاکستان والی اجتماعی سوچ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ یہی ہماری بقا کا راز ہے، جسے ہر وقت ذہن نشین رکھنا بے حد ضروری ہے۔

پروفیسر شازیہ اکبر نے کہا کہ وطنِ عزیز کے موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ قوم ایک بار پھر تحریکِ پاکستان جیسے جذبے کے تحت تمام سیاسی، سماجی، لسانی اور علاقائی اختلافات ختم کر کے اتحاد پیدا کرے، تا کہ وطنِ عزیز کی سلامتی کو درپیش خطرات کا مقابلہ



ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں محترمہ پروفیسر شازیہ اکبر، ڈاکٹر فرحت عباس،
محترم حیات محمد بھٹی اور انعام یافتہ نونہال

کیا جا سکے۔ ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ آزادی کی حفاظت دل و جان سے کرے اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ ہم اپنا فرض دیانت داری سے نبھائیں اور اس کے ساتھ مکمل ایمان داری برتیں۔

اجلاس میں نونہالوں نے ایک عمدہ ملی نغمہ پیش کیا۔ حب وطن سے متعلق سبق آموز خاکہ اور ایک رنگا رنگ ٹیبلو پیش کیا گیا۔ آخر میں دعاے سعید پیش کی گئی۔

ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی .... **رپورٹ : محمد عمران اصغر**

ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی میں تلاوتِ قرآن مجید نونہال محمد حمزہ نے اور نعتِ رسولِ مقبولؐ نونہال حماد مقبول نے پیش کی۔ اسپیکر اسمبلی مریم اکبر تھیں۔ اس بار موضوع تھا:

''ایک ہوئے تھے تو بنا تھا پاکستان، ایک ہوں گے تو بچے گا پاکستان''

محترم حکیم عثمان نے کہا کہ جو قوم اتحاد کی رسی میں بندھی ہو، دنیا کی کوئی طاقت اس قوم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ پوری دنیا حیران تھی کہ ایک نظریے کے تحت کیسے ایک



ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی میں محترم ڈاکٹر سید جعفر احمد اور اساتذہ کرام انعام یافتہ نونہالوں کے ساتھ

اسلامی مملکت وجود میں آئی۔ قوم نے قائداعظم محمد علی جناح کی رہنمائی میں جدوجہد کی تو ہمیں علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر ملی۔ اسمبلی میں قائدِحزبِ اختلاف ساجد علی اور قائدِ ایوان حمنہ اشکیل تھیں۔ نونہال مقررین میں ماریہ امیر، علیزہ عروج، شوکت اسلم، عمر عالم اور تحریم ظہیر شامل تھیں۔

WHO سندھ ریجن کی سربراہ محترمہ ڈاکٹر سارہ سلمان صاحبہ نے کہا کہ آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے قول اور فعل میں ایک ہو جائیں، جب منفی سوچ ختم ہو جائے گی تو باقی چیزیں خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی۔

مہمانِ خصوصی پروفیسر ڈاکٹر سید جعفر احمد نے کہا کہ بدقسمتی سے ہمارے ملک کے ذرائع ابلاغ بچوں کے ذوق وشوق کو بگاڑ رہے ہیں۔ نونہال اسمبلی جیسے پروگراموں سے مستقبل کے نونہالوں کی تربیت ہوتی ہے، جو اچھی قومیں بننے کا باعث ہوتی ہیں۔ اس موقعے پر ہمدرد پبلک اسکول اور اسکالرز گرامر اسکول کی طالبات نے پُر جوش ملی نغمے پیش کیے، آخر میں دعاے سعید پیش کی گئی۔ ☆



نونہال مصور



محمد اسد سمیع، ڈیرہ غازی خان



عائشہ خان، بوہرہ پیر



مریم سہیل، کراچی



سکندر علی خان، ڈیرہ غازی خان



علیشبہ آصف، احمد پور شرقیہ



زہیر ذوالفقار، کراچی

تصویر خانہ



اسد علی، بھٹائی کالونی



اضحیٰ فاطمہ، بھٹائی کالونی



اریبہ عبدالاحد صوفی، کراچی



نویرا طالب قریشی، نواب شاہ



لائبہ کمال، کراچی



ہاشم احمد خان، اورنگی ٹاؤن



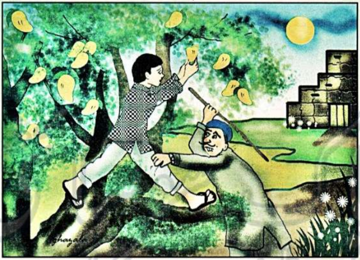
عبدالاحد خان جدون، کراچی



اسحاق اور تیمور، گھوٹکی

آم کا باغ

محمد طارق



''بچاؤ، بچاؤ، ہائے، میں مر گیا۔ امی! ہائے، میں مر گیا۔ آیندہ باغ میں نہیں آؤں گا۔ مجھے معاف کر دو۔'' یہ دس سالہ رضوان کی چیخیں تھیں، جو باغ میں گونج رہی تھیں۔ باغ کے مالی نے اسے دبوچ رکھا تھا اور لمبا سا بانس نما ڈنڈا اس کے نازک بدن پر برسا رہا تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ وہ آم کھانے کی غرض سے یہاں آ گیا تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ شاید مالی باغ میں نہیں ہے، مگر اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ مالی نے اسے باغ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک جگہ چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ جوں ہی رضوان آم کے پیڑ پر چڑھا، پیچھے سے آ کر مالی نے اچانک اس کی ٹانگ پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا۔ رضوان دھڑام

سے منھ کے بَل نیچے آ گرا۔ وہ اُٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ مالی نے اسے دبوچ لیا۔ بھلا اس گنجان باغ میں رضوان کی فریاد کو کون پہنچتا۔

جب مالی جی بھر کے اُسے پیٹ چکا تو باہر کی طرف دھکا دیتے ہوئے بولا: ''دفع ہو جا، آج کے بعد اگر اس باغ میں دوبارہ نظر آیا تو ایمبولنس ہی لے کر جائے گی تجھے۔''

رضوان بے چارہ گرتے پڑتے باغ سے باہر نکل گیا۔ اس تشدد سے اس کے بازو کی ہڈی بھی ٹوٹ چکی تھی۔ کئی دنوں تک اس کا علاج چلتا رہا۔ اس کے والدین رو دھو کر بیٹھ گئے۔ وہ بے بس تھے۔ آخر وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

یہ باغ رئیس ارشد خان کا تھا، جس کے مالی کا نام انور تھا۔ باغ کا چوکیدار بھی وہی تھا۔ ارشد خان ایک با اثر شخص تھا۔ اس کا اثر رسوخ بڑے سیاسی لیڈر تک تھا۔ مالی انور کو ارشد خان کی پوری حمایت حاصل تھی، بلکہ اس نے انور کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ میرے باغ کا ایک پھل بھی اِدھر سے اُدھر نہ ہو، چاہے اس کے لیے تمھیں کچھ بھی کرنا پڑے۔

اسی حمایت کا فائدہ اُٹھا کر انور اَن گنت بچوں کو بُری طرح پیٹ چکا تھا۔ اگر کوئی بے چارہ بھولا بھٹکا باغ میں داخل ہو جاتا تو اگلے دن وہ اسپتال میں ہوتا۔ اگر کوئی ارشد خان کے پاس اس ظلم کی شکایت لے کر چلا بھی جاتا تو وہ فوراً ہی پھٹ پڑتا: ''تم اپنے بچوں کو کیوں نہیں سمجھاتے؟''

بے چارے والدین کہتے کہ ہمارا مطلب تو یہ ہے کہ بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ اور ہلکی پھلکی سرزنش سے بھی بھگایا جا سکتا ہے۔ اس طرح بے دردی سے مارنا مناسب نہیں، مگر وہ کسی کی نہیں سنتا تھا۔ آخر وہ منھ لٹکائے واپس آ جاتے۔



وقت گزرتا رہا۔ سال ہا سال بیت گئے۔ ارشد خان پر کسی معصوم کی بددعا اپنا اثر دکھا چکی تھی۔ اسے ایک لاعلاج بیماری نے جکڑ لیا، جس کے علاج کے لیے اس نے رُپیا پانی کی طرح بہا دیا تھا۔ اس نے اپنی ساری جائداد اس بیماری سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بیچ دی تھی۔ صرف وہ آم کا باغ بچا تھا۔ جس کو بیچنے کا وہ آج فیصلہ کر چکا تھا۔

یہ باغ اسے بہت ہی زیادہ عزیز تھا، مگر بیماری نے اس کا چین وسکون غارت کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ باغ کا سودا کرنے پر مجبور ہوا اور باغ کا خریدار تھا، شہر کا معروف تاجر ''سیٹھ رضوان سلیم''۔ وہی رضوان بیس سال پہلے صرف ایک آم کھانے کے جرم میں جس کا بازو توڑ دیا گیا تھا۔

باغ کا مالی انور بوڑھا ہو چکا تھا۔ جب اسے اس بات کا علم ہوا تو اس کے پاؤں

کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ رضوان پر ڈھایا ہوا ظلم اس کے دماغ میں فلم کی طرح گھومنے لگا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ نوکری چھوڑ کر یہاں سے چلا جائے، مگر وہ جاتا کہاں! اتنا عرصہ باغ میں رہ کر اسے اس باغ سے گہرا جذباتی تعلق پیدا ہو گیا تھا اور اس کی روزی روٹی کا ذریعہ بھی یہی باغ تھا۔ یہ سوچ کر اسے جھرجھری سی آ گئی۔ اچانک اسے رضوان صاحب اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔ وہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک خوبرو تیس سالہ جوان آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ انور کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر بجلی کی طرح اُٹھا اور اس کے قدموں میں گر گیا: ''صاحب! مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ پر بہت ظلم کیا تھا صاحب!''

وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہ رہا تھا، مگر رضوان نے جلدی سے اسے قدموں سے اُٹھایا اور کہا: ''چاچا جی! میں نے تو آپ کو بہت پہلے ہی معاف کر دیا تھا، کیوں کہ ہمارا دین ہمیں بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت اور خطاؤں کو معاف کر دینے کی تلقین کرتا ہے۔''

''بہت شکریہ صاحب! بہت شکریہ۔'' انور فرطِ جذبات سے بولا۔ آنسوؤں کی لڑی اب بھی اس کی آنکھوں سے جاری تھی۔

رضوان نے کہا: ''جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ باغ میں نے خرید لیا ہے، لیکن آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ آپ کے لیے خوش خبری ہے کہ اب بھی آپ ہی اس باغ کے مالی رہیں گے۔ ارشد جتنی آپ کو تنخواہ دیتا تھا، اس سے کچھ زیادہ ہی دوں گا، مگر میری ایک شرط آپ کو ماننا پڑے گی۔''

''جی صاحب جی! میں آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔'' وہ خوشی سے پھولے نہیں سمار ہا تھا۔

''وہ شرط یہ ہے کہ آج کے بعد آپ کسی بچے کو آم توڑنے اور کھانے سے منع نہیں کریں گے۔ چاہے وہ پیڑ پر چڑھ کر آم توڑیں، پتھر مار کر توڑیں یا باغ میں بیٹھ کر آم کھائیں۔ ان معصوموں کے آم کھانے سے یہ کم نہیں ہوں گے، آخر کتنے کھائیں گے۔ یہ بچے وطن کے معمار اور ہمارا مستقبل ہیں۔ یہ نرم و نازک پھول ہیں۔ ان کو تو زمانے کی تیز دھوپ اور گرمی سے بھی بچانا چاہیے، نہ کہ ان پر ظلم کیا جائے۔ اب تم مجھ سے وعدہ کرو کہ میری اس شرط پر سختی سے عمل کرو گے؟''

مالی نے بھی دل کی گہرائی سے کہا: ''وعدہ...... پکا وعدہ۔'' ☆

لکھنے والے نونہالوں کو مشورہ

نونہال کہانی، مضمون وغیرہ جب اشاعت کے لیے بھیجیں تو ایک نقل (فوٹو کاپی) اپنے پاس ضرور رکھا کریں۔ جب آپ کی بھیجی ہوئی تحریر شائع ہو جائے تو دونوں کو ملا کر دیکھیں کہ کہاں کہاں تبدیلی کی گئی ہے۔ کس جملے کو کس طرح درست کیا گیا ہے۔ کون سا پیراگراف کاٹا گیا ہے اور نیا پیرا کہاں سے شروع کیا گیا ہے۔ تحریر کا عنوان بدلا گیا ہے یا نہیں اور اگر بدلا گیا ہے تو کیا یہ پوری تحریر کا احاطہ کر رہا ہے یا نہیں۔ ایسا کرنے سے آپ بہت جلد اچھا لکھنے لگیں گے۔ تحریر لکھ کر اس کے نیچے اپنا پتا ضرور لکھ دیں، ورنہ تحریر ضائع ہو جائے گی۔ طویل تحریر نہ لکھیں۔ ☆

انعامی سلسلہ ۲۶۲

معلوماتِ افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں ۱۲ سوالوں کے سامنے تین ممکنہ جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک درست ہے۔ کم سے کم ۸ درست جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے تمام درست جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر تمام درست جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ ۸ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ درست جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱ صلح حدیبیہ ذی قعد .... مطابق ۶۲۸ عیسوی کو ہوئی تھی۔ (۴ ہجری ۔ ۶ ہجری ۔ ۸ ہجری)

۲ خلافت بنو امیہ کے پہلے کیمیا دان .... تھے۔ (جابر بن حیان ۔ یعقوب کندی ۔ خالد بن یزید)

۳ پاکستان ٹیلے ویژن پر رنگین نشریات کا آغاز ۲۰ دسمبر .... سے ہوا۔ (۱۹۷۴ء ۔ ۱۹۷۶ء ۔ ۱۹۷۸ء)

۴ پاکستان کا پہلا ایٹمی بجلی گھر .... میں بنایا گیا۔ (کراچی ۔ اسلام آباد ۔ لاہور)

۵ ''کلی منجارو'' .... کی سب سے بلند پہاڑی چوٹی ہے۔ (تنزانیہ ۔ البانیہ ۔ رومانیہ)

۶ چین کے پہلے صدر .... تھے۔ (چواین لائی ۔ ماؤزے تنگ ۔ سن یات سن)

۷ دنیا کا دوسرا سب سے بڑا سمندر .... ہے۔ (بحرِ ہند ۔ بحرِ اوقیانوس ۔ بحرِ الکاہل)

۸ ''بلیک ڈیتھ'' .... کی بیماری کو کہا جاتا ہے۔ (تپِ دق ۔ چیچک ۔ طاعون)

۹ دنیا کی پہلی خاتون پروفیسر .... تھیں۔ (مادام کیوری ۔ ہیلن کیلر ۔ فلورنس نائٹ انگل)

۱۰ تین جلدوں پر مشتمل اردو کا مشہور ناول ''جانگلوس'' .... کی تصنیف ہے۔
(شوکت تھانوی ۔ شوکت صدیقی ۔ شوکت سبزواری)

۱۱ اردو زبان کی ایک ضرب المثل یہ ہے: ''دودھ کا جلا .... بھی پھونک کر پیتا ہے۔''
(لسّی ۔ شربت ۔ چھاچھ)

۱۲ حفیظ جالندھری کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:
دیکھا جو کھا کے تیر کمیں گاہ کی طرف اپنے ہی .... سے ملاقات ہو گئی
(عزیزوں ۔ دوستوں ۔ پڑوسیوں)

پاک سوسائٹی پر مُوجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۶۲ (اکتوبر ۲۰۱۷ء)

نام : ____________________

پتا : ____________________

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-اکتوبر ۲۰۱۷ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (اکتوبر ۲۰۱۷ء)

عنوان : ____________________

نام : ____________________

پتا : ____________________

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ -اکتوبر ۲۰۱۷ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

دنیا کے مشہور و مقبول ادیبوں پر مختصر معلوماتی کتابیں

حسن ذکی کاظمی کے قلم سے

ولیم شیکسپیر انگریزی ادب کا عظیم ڈراما نگار، جس کے ڈرامے ساری دنیا میں پڑھے اور دیکھے جاتے ہیں۔

شیکسپیر کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۲۵ رپے

سیموئل ٹیلر کولرج انگریزی کا عظیم شاعر جس نے خود علم سیکھا اور شعر و ادب میں اپنا مقام بنایا۔

کولرج کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۳۵ رپے

ولیم ورڈز ورتھ عظیم شاعر جس نے انگریزی شاعری کو ایک نیا رخ دیا، سانیٹ بھی لکھے اور مضامین بھی۔

ولیم ورڈز ورتھ کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۳۵ رپے

برونٹے سسٹرز تینوں برونٹے بہنوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے سے عورتوں کے حقوق اور آزادی کے لیے آواز بلند کی۔ یہ ایک دل چسپ، معلوماتی کہانی اس کتاب میں پڑھیے۔

برونٹے بہنوں کی خوب صورت تصویر کے ساتھ رنگین ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۴۵ رپے

چارلس ڈکنز عظیم ناول نگار جسے کتابیں پڑھنے کے شوق نے دنیا کے نامور ادیب کا اعلا مقام عطا کیا۔

ٹائٹل پر ڈکنز کی خوب صورت تصویر صفحات : ۲۴ قیمت : ۴۵ رپے

ٹامس ہارڈی انگریزی کا پہلا ناول نگار جس نے گاؤں کی روزمرہ زندگی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔

ہارڈی کی تصویر سے سجا ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۴۵ رپے

رڈیارڈ کپلنگ انگریزی ادب کا عظیم کہانی نویس، نظم نگار، ناول نگار اور پہلا انگریز ادیب جسے ادب کا نوبیل انعام ملا۔

کپلنگ کی تصویر کے ساتھ رنگین ٹائٹل صفحات : ۲۴ قیمت : ۴۵ رپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۔ ۷۴۶۰۰

گھر کی حفاظت

ریاض عادل

ایک جنگل میں برگد کا ایک بہت بڑا درخت تھا، اتنا بڑا کہ اس پر سینکڑوں پرندوں نے اپنے گھونسلے اور گھر بنا رکھے تھے۔ سردی، گرمی، دھوپ، بارش، غرض ہر قسم کے حالات میں یہ درخت پرندوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ برگد ایک جھیل کے قریب واقع تھا۔ برگد پر بسیرا کرنے والے تمام پرندے آپس میں مل جل کر رہتے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔

یہ ان کے باہمی اتفاق کی برکت تھی کہ کسی دوسرے جانور کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ برگد پر رہنے والے کسی پرندے کو نقصان پہنچا سکے۔ صبح سے شام تک اس برگد پر میلے کا سا سماں رہتا تھا۔ صبح سویرے چڑیاں اُٹھ کر صبح ہونے کا اعلان کرتیں تو کوئل اپنی میٹھی اور سُریلی آواز کا جادو جگانا شروع کر دیتی۔ دلوں کو چھو لینے والی کوئل کی آواز برگد کے تمام باسیوں کی من بھاتی آواز تھی۔ دن بھر توتے بھانت بھانت کی بولیاں بولنے میں مگن رہتے اور کبوتروں کی غٹرغوں اور ابابیلوں کی چہکار برگد کے پُرامن ماحول کا پتا دیتی تھی۔ فاختائیں دن بھر امن کا پیغام عام کرتیں اور شارقیں جوابی سروں میں ان کا حوصلہ بڑھاتی رہتیں۔ غرض برگد جیسا ماحول اس جنگل میں کہیں اور تو کیا، اِزدگرد کے جنگلوں میں بھی نہیں تھا۔

اس کی وجہ تھی ایک بوڑھی فاختہ، جو بہت عرصہ پہلے اس برگد کے ماحول سے متاثر ہو کر یہیں کی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے بعد جو بھی پرندہ آتا، وہ اس سے یہیں

گھر بنانے اور مستقل رہنے کو کہتی۔ یوں وہ برگد پرندوں سے بھرتا چلا گیا۔ بی فاختہ نے سب کو امن، سکون اور پیار سے رہنے کا سبق دیا، جس کو سب نے پلے سے باندھ لیا۔ شروع شروع میں جب برگد نیا نیا آباد ہو رہا تھا، کچھ کوؤں نے اس کا ماحول خراب کرنے کی کوشش کی تھی۔ کوّے کسی فاختہ کے انڈے کھا جاتے یا کسی مینا کے بچے۔ پھر بی فاختہ کے کہنے پر سب نے مل کر ان کی وہ دُرگت بنائی کہ کوّوں کو وہ برگد چھوڑنا ہی پڑا۔

پھر پتا نہیں اس برگد اور اس کے مکینوں کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی۔ ہوا یوں کہ ایک شِکرا کہیں سے اِدھر آنکلا۔ اس نے جب جھیل کے نزدیک برگد اُس پر رہنے والے لاتعداد پرندے اور وہاں کا خوب صورت ماحول دیکھا تو وہیں رہنے کا ارادہ کر بیٹھا۔ بچو! آپ کو تو پتا ہے نا کہ شکرا ایک شکاری پرندہ ہے جو فاختہ، کبوتر، چڑیا اور اس طرح کے دوسرے پرندوں کو شکار کر کے کھاتا ہے۔ برگد کے پُرامن ماحول میں شکرے کی آمد نے ہل چل مچا دی تھی۔ پرندوں کا چہچہانا بند ہو گیا تھا، کیوں کہ شکرے کو ان کی چہچہاہٹ شور لگتی تھی۔ اب وہ ڈرے ڈرے، سہمے سہمے رہنے لگے۔ شکرا روزانہ پانچ چھے پرندوں کو اپنا شکار بناتا اور مزے اُڑاتا۔

اب تمام پرندے شکرے کے رحم و کرم پر تھے۔ ایک طرح سے تمام پرندے اس کے محکوم تھے۔ وہ جب چاہتا، انھیں ڈانٹ دیتا اور جب اس کا موڈ خوش گوار ہوتا، وہ ان سے گانا سننے کی فرمائش کر دیتا اور بے چارے پرندوں کے پاس سوائے حکم ماننے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

ایک دن جب شکرا ایک کبوتر کھانے کے بعد پانی پینے کے لیے جھیل پر گیا تو

برگد کے بوڑھے پرندے اِکٹھا ہوئے اور آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے کہ اس مصیبت سے کیسے نکلا جائے۔ کافی دیر کی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان حالات میں اس برگد سے ہجرت کی جائے اور کسی دوسرے جنگل میں بسیرا کیا جائے، جہاں کوئی ان کی آزادی نہ چھین سکے۔

''میرے خیال میں ہمیں بی فاختہ سے ایک بار ضرور مشورہ کر لینا چاہیے، وہ اس برگد کی سب سے پرانی مکین اور ہم میں سب سے زیادہ سمجھ دار بھی۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کی تیاری کرتے، ایک بوڑھے توتے نے اچانک انھیں بی فاختہ کی یاد دلا دی۔

بی فاختہ نے اپنا گھر ایک موٹے تنے کے سوراخ میں بنا رکھا تھا، جو بہت محفوظ تھا۔ پرندے بی فاختہ کے پاس پہنچے اور ایک بزرگ کبوتر نے انھیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ بی فاختہ ان کی بات سن کر بولیں: ''دیکھیے، یہ برگد ہمارا گھر ہے۔ کل تک ہم اس گھر میں پوری آزادی کے ساتھ ہنسی خوشی رہ رہے تھے اور آج ایک غاصب کی وجہ سے آپ اپنے گھر کو چھوڑنے کا فیصلہ کر بیٹھے ہیں۔ سچ پوچھیں تو مجھے آپ کے اس فیصلے سے دُکھ پہنچا ہے۔''

بی فاختہ کے لہجے میں دُکھ اور آنکھوں میں نمی سب نے محسوس کی۔

''بی فاختہ! ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے آپ کو دُکھی کر دیا ہے، مگر آپ خود بتائیں ہمارے پاس اس کے علاوہ کیا راستہ ہے؟'' ایک بوڑھی مینا نے صورتِ حال سنبھالنے کی کوشش کی: ''ہمارے بچے ہماری آنکھوں کے سامنے مر رہے ہیں اور ہم سوائے ہاتھ ملنے

کے اور کچھ بھی نہیں کر پا رہے۔''

''بی فاختہ! مجھے یاد ہے ہم نے آپ کے کہنے پر اپنے گھر کی اور اس گھر کے مکینوں کی حفاظت کے لیے ایک دفعہ کوّوں سے بھی ٹکر لی تھی اور انھیں مار بھگایا تھا، مگر آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ اس دفعہ ہمارا واسطہ ایک طاقت ور شکرے کے ساتھ پڑا ہے، جس سے لڑنا ہمارے بس میں نہیں۔'' ایک شارق نے زمینی حقیقت کی طرف توجہ دلائی۔

''دشمن کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، مگر آپ کے مضبوط جذبے کے آگے کچھ بھی نہیں۔'' بی فاختہ کے لہجے میں جذبے کی شدت نے ان سب کو بہت متاثر کیا۔

''ہم اپنی آزادی کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔'' سب پرندے یک زبان ہو کر بولے۔

''مگر ہمیں کرنا کیا ہوگا؟'' ایک بزرگ کھٹ بڑھئی نے پوچھا۔

''دیکھو، بہنو اور بھائیو! سب سے پہلے تو ہمیں شکرے کے معمولات کا پتا لگانا ہوگا کہ وہ برگد سے جھیل کی طرف کب جاتا ہے، واپس آ کر کس شاخ پر بیٹھتا ہے۔'' فاختہ نے ابھی بات مکمل کی ہی تھی کہ ایک توتا بول پڑا: ''بی فاختہ! صبح ہم جب جاگتے ہیں تو شکرا برگد کی سب سے اونچی شاخ پر بیٹھا ہوتا ہے۔ پھر اسے جو کبوتر، توتا یا مینا ملتی ہے، اسے اپنا شکار بناتا ہے۔ چار، پانچ معصوم پرندوں کا شکار کرنے کے بعد وہ ظالم جھیل کی طرف چلا جاتا ہے اور......''

ابھی توتے کی بات جاری تھی کہ ایک مینا نے اس کی بات کاٹی: ''جھیل سے اس کی واپسی کافی دیر بعد ہوتی ہے بی فاختہ! اور واپسی پر وہ پھر اسی اونچی شاخ پر آ کر بیٹھتا

ہے، یہ اس کا ہر روز کا معمول ہے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے دشمن کی طرف سے غافل نہیں ہوا اور اس پر نگاہ رکھے ہوئے ہو۔'' بی فاختہ نے انھیں سراہتے ہوئے کہا: ''کل تم سب کو فیصلہ کن معرکے کے لیے تیار رہنا ہے۔ جب شکرا جھیل کی طرف جائے تو سب سے پہلے کھٹ بڑھئی اپنے سارے نوجوانوں کی مدد سے اس برگد کی ٹہنیوں اور تنوں میں اپنی نوکیلی چونچوں کی مدد سے چھید کریں گے اور پتے توڑیں گے۔ جس جگہ چھید ہوں گے، وہاں سے دودھ نما سفید مادہ نکلنا شروع ہو جائے گا۔ باقی تمام پرندے وہ پتے اُٹھا کر ان پر برگد کا دودھ اِکٹھا کریں گے اور برگد کی اسی شاخ پر لیپ کر دیں گے، جس پر شکرا بیٹھتا ہے۔ سب کو یہ کام مسلسل اور بار بار چکر لگا کر کرنا ہے۔ اس مہم میں تمام پرندوں کی شمولیت ضروری ہے، کیوں کہ دودھ کے لیپ کی جتنی زیادہ تہیں شاخ پر بنیں گی، اتنا ہی ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ برگد کے درخت کا دودھ سوکھنے پر گوند سے بھی زیادہ چپکنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لہٰذا جیسے ہی شکرا اس شاخ پر بیٹھے گا، وہ وہیں چپک کر رہ جائے گا۔''

''اگر اسے احساس ہو گیا کہ اس کے پنجے چپک رہے ہیں تو کیا وہ اُڑنے کی کوشش نہیں کرے گا۔'' ایک بوڑھی شارق نے اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''اول تو اسے احساس ہی نہیں ہوگا، اگر ہوا بھی تو اتنی دیر ہو چکی ہو گی کہ ہم اگلا قدم آرام سے اُٹھا سکیں۔'' بی فاختہ نے تسلّی آمیز لہجے میں کہا۔

''ایسا ہی ہوگا، ہم ابھی جا کر سب کو یہ منصوبہ بتاتے ہیں تا کہ کل کے فیصلہ کن

معرکے کے لیے سب تیار ہو جائیں۔'' کبوتر نے کہا۔

دوسرے دن منصوبے کے عین مطابق جب شکرا جھیل کی طرف گیا تو سب اپنے اپنے حصے کی ذمے داری جی جان سے نبھانے لگے۔ کھٹ بڑھئی نے اپنی تیز اور نوکیلی چونچوں کی مدد سے جگہ جگہ سے برگد کے پیڑ کو چر کے لگا دیے تھے، جہاں سے خوب دودھ رسنے لگا تھا۔ باقی تمام پرندے انتہائی جوش اور جذبے سے وہ دودھ برگد کے پتوں پر اکٹھا کرتے اور اسے جا کر اس تنے پر لیپ دیتے، جس پر شکرا بیٹھتا تھا۔ ان کی اس محنت کے نتیجے میں اس تنے پر اتنے لیپ ہو چکے تھے کہ اب شکرے کا بیٹھنے کے بعد وہاں سے اُڑنا ناممکن تھا۔

ان کی ان تھک جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب شکرا جھیل سے واپس آ کر برگد کی اس شاخ پر بیٹھا تو اسے احساس تک نہیں ہوا کہ اس کی غیر موجودگی میں وہاں کیا کچھ ہو چکا ہے اور وہ وہیں چپک کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب سب پرندوں نے ایک دم سے اس پر حملہ کیا اور اس نے ان کے حملے سے بچنے کے لیے اُڑنے کی کوشش کی تو اسے خبر ہوئی کہ وہ تو شاخ سے چپک چکا ہے، اُڑنے کی کوشش میں وہ محض پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

اس نے اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس کیا۔ اسی بے بسی کے عالم میں چند جوان اور جوشیلے طوطوں نے اس پر وہ تابڑ توڑ حملے کیے کہ تھوڑی ہی دیر میں وہ لہولہان ہو کر اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ برگد کے مکین ایک بار پھر آزادی کا جشن منا رہے تھے۔ انھوں نے اپنے گھر کی حفاظت کی ذمے داری بڑے احسن طریقے سے سرانجام دی تھی۔

☆☆☆



ننھے مزاح نگار

ہنسی گھر



😊 ایک آدمی ٹرین میں جا رہا تھا۔ ٹی ٹی آیا اور ٹکٹ مانگا: ''ٹکٹ دکھاؤ!''

اس نے ٹکٹ نکال کر دکھایا: ''یہ لو۔''

ٹی ٹی: ''یہ تو پرانا ٹکٹ ہے!''

''ٹرین بھی تو پرانی ہے یا ابھی شوروم سے نکلوائی ہے؟''

مرسلہ: نام پتا نامعلوم

😊 گانے کی ایک محفل میں ایک شخص کو وجد آ گیا۔ وہ کھڑے ہو کر بے ساختہ جھومنے لگا۔ لوگوں نے بڑی مشکل سے اسے سنبھالا۔ محفل میں موجود ایک شخص نے اس سے پوچھا: ''یہ تمھیں کیا ہو گیا بھائی!''

جھومنے والا شخص پُر سکون ہوتا ہوا بولا: ''ارے کچھ نہیں، بیٹھے بیٹھے میرے پیر سُن ہو گئے تھے۔''

مرسلہ: محمد عمر بن عبدالرشید، کراچی

😊 ڈاکٹر: ''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

مریض: ''طبیعت اچھی ہے، لیکن پسینا نہیں آتا۔''

ڈاکٹر: ''ابھی تھوڑی دیر میں آ جائے گا، اسپتال کا بل دیکھ کر۔''

مرسلہ: سمیرا زاہد، فاضل

😊 ٹیلے فون ایکسچینج کے مرکز شکایت پر ایک بوڑھی خاتون کا فون آیا: ''بیٹا! فون تو لگ گیا ہے، لیکن تار بہت لمبا ہے، پیروں سے اُلجھ رہا ہے، ذرا اسے اپنی طرف کھینچ لو۔''

مرسلہ: کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

😊 ویران گلی سے گزرتے راہ گیر کو ایک شخص نے روک لیا اور کہا: ''جناب! میری ایک درخواست ہے۔ مجھ غریب بھوکے کی مدد کرنا آپ کا فرض ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے پاس اس پستول کے علاوہ کچھ نہیں، جس میں صرف چھے گولیاں ہیں۔''

مرسلہ: حلیمہ صابر اعوان، ہری پور

😊 ممتحن صاحب کے پاس امتحانی کاپیاں چیک کرنے کا کام زیادہ تھا۔ انھوں نے ہاتھ بٹانے کے لیے اپنی بیگم کو بھی ساتھ بٹھا لیا۔ بعد میں بیگم کے چیک کیے ہوئے پرچوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ممتحن صاحب حیرت سے بے اختیار چیخ اُٹھے: ''بیگم! تم نے اس طالب علم کو سو میں سے ایک سو دس نمبر دے دیے؟''

''اس طالب علم نے ایک ایسے سوال کا جواب بھی لکھا ہے، جو پرچوں میں ہے ہی نہیں۔'' بیگم نے متانت سے جواب دیا۔

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

😊 ایک صاحب نے اپنے دوست سے کہا: ''آج چھے بجے ٹی وی پروگرام میں ۲۲ انچ لمبا کن کھجورا دکھایا جائے گا۔''

دوست نے مایوسی سے جواب دیا: ''میں تو یہ کن کھجورا نہیں دیکھ سکوں گا۔ میرے پاس تو ۱۶ انچ کا ٹی وی ہے۔''

مرسلہ : مومنہ ابوجی، جگہ نامعلوم

😊 پہلا دوست: ''میں اُڑتی چڑیا کے پَر گن لیتا ہوں۔''

دوسرا دوست: ''پھر اس مرتبہ بھی تم ریاضی میں فیل کیسے ہو گئے؟''

مرسلہ : اُسامہ ظفر راجا، ملکہ کوہسار

😊 ایک صاحب کتے کو زنجیر سے باندھ کر لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک دوست ملا اور پوچھا: ''ارے! اس گدھے کو کہاں لے جا رہے ہو؟''

پہلے دوست نے کتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''یہ گدھا نظر آ رہا ہے؟''

دوست نے کہا: ''بیچ میں مت بولو، میں نے یہ سوال کتے سے کیا ہے۔''

مرسلہ : تسبیح محفوظ علی، کراچی

😊 ایک پاگل ٹھیلے والے کے پاس گیا اور دو درجن کیلے خریدے۔ پاگل کیلے لے کر جانے لگا تو ٹھیلے والے نے اسے روکتے ہوئے کہا: ''پیسے تو دیتے جاؤ۔''

پاگل نے کچھ سوچ کر جیب سے ایک رپے کا سکہ نکالا اور ٹھیلے والے کو دیتے ہوئے بولا: ''یہ لو۔''

''ایک رپیا! میں اتنے سارے پیسوں

کا کیا کروں ؟'' ٹھیلے والے نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''ان پیسوں سے دو کاریں، تین دکانیں اور دو بنگلے خرید لو اور جو رقم بچ جائے، اسے بینک میں جمع کروا دو۔'' پاگل نے ہنستے ہوئے کہا۔

مرسلہ : سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

😊 بیوی نے شوہر سے پوچھا: ''آخر آپ نے کس چیز سے اندازہ لگایا کہ ہمارا منا بڑا ہو کر سیاست داں بنے گا؟''

''منا دراصل ایسی باتیں کرتا ہے، جو کانوں کو تو بھلی لگتی ہیں، لیکن غور کرو تو ان کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔'' شوہر نے جواب دیا۔

مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

😊 ایک پاگل صحت یاب ہو کر پاگل خانے سے باہر نکل رہا تھا اور ملک کا وزیراعظم دورے پر جیل میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا: 'مجھ سے ملو، میں اس ملک کا وزیراعظم ہوں۔''

اس پر پاگل نے جواب دیا: ''جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے۔ علاج سے پہلے میں بھی یہی کہتا تھا۔''

مرسلہ : سمیعہ توقیر، کراچی

😊 ایک دیہاتی آدمی کے بال بہت بڑے بڑے تھے۔ ایک دن وہ شہر گیا تو کچھ لڑکوں نے اسے گھیر لیا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا: ''سر پر بال کی جگہ گھاس کیوں رکھی ہے؟''

دیہاتی آدمی بہت حاضر جواب تھا۔ اس نے فوراً کہا: ''اب میں سمجھا کہ اتنے سارے گدھے میرے ارد گرد کیوں کھڑے ہیں۔''

مرسلہ : عصمت عبدالباری، سکھر

😊 چور چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا۔

مکان مالک: ''سارا سامان یہیں رکھ دو!''

چور: ''سارا کیسے دے دوں! آدھا سامان آپ کے پڑوسی کا ہے۔''

مرسلہ : عبدالوہاب، کراچی

☆☆☆

جوابات معلومات افزا -۲۶۰

سوالات اگست ۲۰۱۷ء میں شائع ہوئے تھے

اگست ۲۰۱۷ء میں معلومات افزا-۲۶۰ کے لیے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے درست جوابات ذیل میں لکھے جارہے ہیں۔ ۱۲ درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد ۱۵ سے زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جارہے ہیں۔

۱۔ قبلِ اسلام لڑی جانے والے جنگ ''حربِ فجار'' میں حضور اکرمؐ نے ۱۵ سال کی عمر میں حصہ لیا تھا۔

۲۔ زبیر بن عوامؓ کے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھانجے تھے۔

۳۔ ''شیرِ بنگال'' مولوی فضل الحق کو کہا جاتا ہے۔

۴۔ تربیلا ڈیم کی کھدائی کا آغاز ۴-نومبر ۱۹۶۸ء کو ہوا تھا۔

۵۔ سلطان شہاب الدین غوری اور پرتھوی راج چوہان کے درمیان جنگِ تراوڑی ۱۱۹۱ء میں ہوئی تھی۔

۶۔ اسکاٹ لینڈ کا قومی کھیل گولف ہے۔

۷۔ جب پاکستان میں صبح کے چھے بجتے ہیں تو یورپ کے ملک البانیہ میں رات کے دو بجے کا وقت ہوتا ہے۔

۸۔ بولیویا، براعظم جنوبی امریکا کا ایک ملک ہے۔

۹۔ جنوب مغربی ایشیا کے ملک آذربائیجان کی کرنسی منات کہلاتی ہے۔

۱۰۔ ''CUSTARD APPLE'' انگریزی زبان میں شریفے کو کہتے ہیں۔

۱۱۔ اردو زبان کا ایک محاورہ: ''آنکھوں پر پٹی باندھنا''

۱۲۔ مولوی اسماعیل میرٹھی کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

جب کہ دو موزیوں میں ہو کھٹ پٹ اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: ایمن عظیم، ارسلان احمد، عدینہ احمد، کنول فاطمہ زیدی، ناعمہ تحریم۔
☆ لاہور: حافظہ انشراح خالد بٹ، امتیاز علی ناز ☆ **راولپنڈی:** فاطمہ احمد۔
☆ **ٹنڈو جام:** راشد علی ☆ **تلہ گنگ:** اُسامہ خباب علی ☆ **گوجرانوالہ:** صفی اللہ قدیر۔
☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **ساہیوال:** ارفع محمود ☆ **سکھر:** زین علی۔
☆ **بھکر:** تسبیحہ خالد۔

۱۲ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆ کراچی: عائشہ احمد، ماہا زیدی، مسکان فاطمہ، محمد ابراہیم فاروق احمد، عالیہ، محمد صہیب علی ☆ لاہور: سارہ جاوید، مطیع الرحمٰن ☆ **راولپنڈی:** ہانیہ نور بٹ، محمد داؤد جان ☆ **حیدرآباد:** طٰہ یاسین، مریم بنت کاشف، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **بہاول پور:** ایمن نور، احمد ارسلان، قرۃ العین عینی، صباحت گل ☆ **تلہ گنگ:** طلحہٰ خباب علی ☆ **کہروڑ پکا:** محمد ارسلان رضا ☆ **وہاڑی:** مومنہ ابوجی ☆ **میر پور خاص:** عدیل احمد ☆ **کبیر والا:** محمد عمر اشرف آرائیں ☆ **پشاور:** محمد حیان ☆ **کالا گجراں:** محمد افضل۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، سید یشل علی اظہر، سیدہ جویریہ جاوید، سیدہ سالکہ محبوب، سید نوفل علی محبوب، محمد زایان خان، رضی اللہ خان، سلیمان امتیاز، کومل فاطمہ اللہ بخش، بہادر، اختر حیات، علینا اختر، عروبہ امین، محمد عبدالحماض،

شاہ محمد از ہر عالم، سعد بن ضیا، اریبہ غلام محمد ☆ میر پور خاص: آمنہ سیال، نیہا شعیب شیخ ☆ راولپنڈی: مریم عثمان، محمد ارسلان ساجد ☆ بیلہ: الیاس بشر ☆ چکوال: محمد حسان عبداللہ ☆ وہاڑی: عائشہ شہباز ☆ سکھر: عصمت مفتی عبدالباری ☆ اوکاڑہ کینٹ: عروسہ تنزیل ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ مظفرگڑھ: علی حیدر جھبیل ☆ دولت پور صفن: ایمن سعید خانزادہ ☆ شیخوپورہ: محمد احسان الحسن ☆ وزیر آباد: محمد وسیم عارف ☆ اسلام آباد: محسن شاہد۔

۱۰ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: محمد زبیر، عبدالتواب خان، سمیع اللہ خان ☆ راولپنڈی: ملک محمد احسن ☆ حیدرآباد: عدینہ فلک شہاب ☆ قصور: شازیہ ہاشم میواتی ☆ لاہور: ولید اشرف ☆ بھکر: فرمان حیدر ☆ ساہیوال: محمد طٰہٰ ظفر ☆ خانیوال: محمد طلحہ محمود ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ سکھر: عائشہ تزین ☆ سیالکوٹ: قاسم محمد۔

۹ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: صدف آسیہ، فضل سلیمان خان ☆ سرگودھا: راجا مرتضیٰ خورشید علی ☆ اوکاڑہ: علینہ فاطمہ۔

۸ درست جوابات بھیجنے والے پُرامید نونہال

☆ کراچی: شیخ محمد حسن رضا عطاری، عاصم قریشی، اویس، سکینہ زہرا خان نیازی ☆ ہری پور: حلیمہ صابر اعوان ☆ ڈیرہ غازی خان: محمد اسد سمیع۔ ☆

آدھی ملاقات



یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ اگست ۲۰۱۷ء کے بارے میں ہیں

❁ ہمدرد نونہال کے ہر صفحے پر قومی پرچم دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ نے آنکھیں کھول دیں۔ اس مہینے کا خیال بہت ہی شان دار لگا۔ پہلی بات کو کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔ روشن خیالات واقعی سونے سے لکھنے کے قابل تھے۔ نعت شریفؐ بہت خوب تھی۔ تحریر، علم کی انتہا جہالت ہے (مسعود احمد برکاتی) بہت پسند آئی۔ علم دریچے میں ساری کی ساری تحریریں خوب تھیں اور اقوالِ زریں کی تو بات ہی اور تھی۔ نونہال خبرنامہ چونکا دینے والا تھا۔ بلاعنوان کہانی سسپنس سے بھرپور تھی۔ لطیفے بہت مزاحیہ تھے۔ بیت بازی تو لاجواب تھی۔ ہنڈکلیا خوب رہی۔ مصوری کچھ خاص نہیں تھی۔ مسکراتی لکریں اچھی لگی۔ اجنبی دوست، بڑا مجرم، جھنگ کی چڑیا، طاقت ور بے وقوف، خالی پنجرہ اور سنہرا تل خوب صورت تحریریں تھیں۔ حلیمہ صابر اعوان، ہری پور۔

❁ اگست کا شمارہ ہمیشہ کی طرح دل چسپ اور معلومات کا خزانہ تھا۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ سرورق بہت اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات، روشن خیالات، معلومات ہی معلومات، علم دریچے، نونہال ادیب، مسکراتی لکیریں سمیت تمام سلسلے لاجواب تھے۔ کہانیوں میں احسان مند، سنہرا تل، جھنگ کی چڑیا، بڑا مجرم اوز طاقت ور بے وقوف زبردست تھیں۔ نظموں میں آزادی اور یہ پاکستان ہے پیارے، شان دار تھیں۔ لطیفے مزے دار تھے۔ پاکستان کا قومی ترانہ اور آپ کا جسم اور خلیے معلوماتی تحریریں تھیں۔ اصبح احمد، مظفر آباد۔

❁ جاگو جگاؤ، پہلی بات، روشن خیالات قابلِ تعریف تھے۔ کہانیوں میں جھنگ کی چڑیا، احسان مند، بڑا مجرم، اجنبی دوست نے رسالے کو چار چاند لگائے۔ بلاعنوان کہانی بھی دل چسپ ثابت ہوئی۔ نونہال ادیب میں نونہالوں کی کارکردگی بہترین رہی۔ مسکراتی لکیریں بھی عمدہ تھیں۔ ہنسی گھر میں بھی لطیفوں نے گرمی سے ستائے موڈ کو اچھا کر دیا۔ کہانی ”علم کی انتہا جہالت ہے“ کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ عائشہ تزین، سکھر۔

> لفظ ”علم“ پر غور کیجیے، جس کی ضد جہالت ہے، یعنی بے علمی، ناواقفیت، نادانی۔ جیسے جیسے کسی کے علم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، ویسے ویسے اسے اپنی جہالت کا پتا چلتا جاتا ہے۔

❁ کہانیوں میں پہلے نمبر پر علم کی انتہا جہالت ہے (مسعود احمد برکاتی)، دوسرے نمبر پر اجنبی دوست (امین طارق)، تیسرے نمبر پر بڑا مجرم (غلام رسول زاہد)

اچھی لگیں۔ مضامین میں پہلے نمبر پر پاکستان کا قومی ترانہ (نسرین شاہین)، دوسرے نمبر پر آپ کا جسم اور خلیے (ادارہ) اور تیسرے نمبر پر الباطروس (ظفر شمیم) رہے۔ نونہال ادیب میں سب ہی کی کاوشیں اچھی لگیں۔ **محمد عبدالخاص، کراچی۔**

❁ میں نے کئی کہانیاں لکھ رکھی ہیں، مگر میں آپ سے یہ بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کہانی لکھنے کا کوئی معاوضہ ہوتا ہے؟ **محمد عبدالخاص، کراچی۔**

اس کا انحصار کہانی کے معیار پر ہے۔ یاد رکھیے، عمدہ کہانی اپنے آپ کو خود چھپوا لیتی ہے۔

❁ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور روشن خیالات سے استفادہ کیا۔ جھنگ کی چڑیا نے متاثر کن انداز میں اپنی آپ بیتی سنائی۔ اجنبی دوست، بڑا مجرم، طاقت ور بے وقوف، خالی پنجرہ، سنہرا تیل، سب ہی کہانیاں بہت پسند آئیں۔ علم کی انتہا جہالت ہے، نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا۔ الباطروس اور آپ کا جسم اور خلیے نے معلومات میں اضافہ کیا۔ معلومات ہی معلومات تو ہے ہی معلومات سے بھر پور۔ ہنسی گھر کے لطائف بھی بہت مزے دار ہیں۔ خاص نمبر کے بعد کا پہلا شمارہ بھی خاص نمبر سے کم نہیں۔ **عشرت جہاں، لاہور۔**

❁ اگست کا شمارہ اچھا تھا۔ کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی بڑا مجرم تھی۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ شمارہ پڑھ کر مزہ بہت آیا۔ مسکراتی لکیریں پڑھ کر بھی بہت مزہ آیا۔ **محمد سجاد ملک، حیدر آباد۔**

❁ خاص نمبر کے بعد اگست کا شمارہ بھی بہت مزے دار اور معلوماتی تھا۔ سرورق بھی بہت خوب صورت تھا۔ بڑا مجرم، بلاعنوان کہانی اور اجنبی دوست بہت دل چسپ کہانیاں تھیں۔ ہنسی گھر بہت پُر لطف اور پُر مزاح ہوتا ہے۔ پاکستان کے قومی ترانے کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ **عائشہ شہباز، وہاڑی۔**

❁ خاص نمبر کی طرح اگست کا نونہال زبردست تھا۔ ہر کہانی اچھی تھی۔ اجنبی دوست، جھنگ کی چڑیا اور احسان مند اچھی اور لاجواب کہانیاں تھیں۔ بڑا مجرم، طاقت ور بے وقوف ٹاپ پر رہیں۔ مضامین میں پاکستان کا قومی ترانہ، معلومات ہی معلومات، آپ کا جسم اور خلیے اچھے ہیں۔ **نامعہ ذوالفقار، کراچی۔**

❁ اگست کا رسالہ بہت زبردست تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ جھنگ کی چڑیا، احسان مند، بڑا مجرم، بلاعنوان کہانی اور اجنبی دوست کہانیاں لاجواب تھیں۔ باقی تحریریں بھی عمدہ تھیں۔ طاقت ور بے وقوف اور سنہرا تیل بھی اچھی تھیں۔ مضامین اور نظمیں لاجواب تھے۔ باقی سارے سلسلے پیارے ہیں۔ سرورق کچھ اچھا نہیں لگا۔ **عالیہ ذوالفقار، کراچی۔**

❁ جاگو جگاؤ، روشن خیالات، نظمیں سب ہی بہت اچھے تھے۔ ساری کہانیاں پسند آئیں۔ **ناظمہ، شبیر احمد، عظمیٰ شبیر احمد، کراچی۔**

✿ اگست کا شمارہ دل چسپ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت معلوماتی بھی تھا۔ ساری کہانیاں اور نظمیں زبردست تھیں۔ کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی احسان مند تھی۔ پہلا انکڑا تو بہترین تھا۔ نام پتا نامعلوم۔

✿ اگست کا شمارہ خاص نمبر سے بھی زیادہ اچھا ہے۔ روشن خیالات ہمیشہ کی طرح روشن ہیں۔ پہلی بات کے صفحے پر مسعود احمد برکاتی کا اس مہینے کا خیال بہت خوب صورت اور اصلاحی تھا۔ نعت شریف بہت خوب صورت تھی۔ جھنگ کی چڑیا (محمود شام)، بڑا مجرم (غلام رسول زاہد)، طاقت ور بے وقوف (غلام یسین نوناری) اچھی تھیں۔ رشنا جمال الدین، کراچی۔

✿ ماشاء اللہ اگست کے شمارے کی کیا تعریف کریں۔ پورا ہی شمارہ اچھا لگا۔ جھنگ کی چڑیا، علم کی انتہا جہالت ہے۔ بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ محمد اسامہ اکرم، خیر پور ٹامیوالی۔

✿ ہمیشہ کی طرح اگست کا شمارہ بھی بہت اچھا لگا۔ سرورق بہت اچھا تھا۔ روشن خیالات عمدہ تھے۔ نعت شریف پسند آئی۔ کہانیوں میں سنہرا تِل اور خالی پنجرہ، بہت عمدہ تھیں۔ بیت بازی میں ہر شعر ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ مضمون پاکستان کا قومی ترانہ نے ہماری معلومات میں اضافہ کیا۔ تمام مستقل سلسلے شان دار تھے۔ محمد ارسلان رضا، کہروڑ پکا۔

✿ اگست کا شمارہ دیکھا تو ایسا لگا کہ کسی صحرا کے مسافر کو صحرا میں پانی کا چشمل گیا ہو۔ اگست کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں، مگر کہانی سنہرا تِل سب سے بازی لے گئی۔ محمد اسد سمیع، ڈی جی خان۔

✿ شمارے کو خوب صورت بنانے کے لیے دل و جان سے محنت کی گئی۔ پہلی بات، علم دریچے، لطائف، مہینے کا خیال، لغت بہتر تھے۔ میں بک کلب کی ممبر ہوں۔ اگر میں سو روپے کی کتابیں خریدوں تو مجھے کتنی رعایت ملے گی؟ اور شِفا اور شَفا میں کیا فرق ہے؟ سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔

> بک کلب کے ممبروں کو نونہال ادب کی کتابیں خریدنے پر ۲۵ فی صد رعایت دی جاتی ہے۔ سو روپے کی کتابیں منگوانے پر رجسٹری فیس بھی نہیں لی جاتی۔ کتابوں کے نام اور اپنا نام پتا صاف صاف لکھ کر رقم منی آرڈر کر دیں۔ شَفا کا مطلب کنارہ یا ساحل ہے، جب کہ شِفا صحت، بیماری کے بعد تن درستی کو کہتے ہیں۔ دونوں عربی کے لفظ ہیں۔

✿ پہلی بات اور جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔ روشن خیالات میں تمام خیالات ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ نعت شریف (ریاض حسین قمر) اچھی لگی۔ احسان مند کا پہلا حصہ اچھا تھا۔ سنہرا تِل اور جھنگ کی چڑیا خوب صورت تحریریں تھیں۔ بڑا مجرم اور اجنبی دوست بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ اس کے علاوہ بلاعنوان، علم کی انتہا جہالت ہے، خالی پنجرہ، طاقت ور بے وقوف، پاکستان کا قومی ترانہ لاجواب تحریریں تھیں۔ الیاس بشر، بلوچستان۔

✿ اگست کا شمارہ بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی اجنبی دوست تھی۔ عائزہ خان، کراچی۔

٭ کہانیوں میں اچھی کہانیاں اجنبی دوست (شاہین طارق)، بڑا مجرم (غلام رسول زاہد) اور طاقت ور بے وقوف (غلام یٰسین) تھیں۔ اس کے بعد خالی پنجرہ، علم کی انتہا جہالت ہے اور احسان مند تھیں اور پھر جن کہانیوں کا نمبر تھا وہ سنہرا تبل اور جھنگ کی چڑیا تھیں۔ بلاعنوان کہانی کا تو پوچھیے ہی نہیں وہ تو ہر کہانی سے اچھی اور ہمدرد نونہال کی جان ہے۔ حسان، عائشہ عطاریہ، ملیر، کراچی۔

٭ اگست کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ تمام کہانیاں سبق آموز اور دل چسپ تھیں۔ کہانیوں میں کسی ایک کی تو تعریف کر نہیں سکتی، کیوں کہ سب بہت ہی اچھی تھیں۔ میں نونہال بک کلب کی ممبر بننا چاہتی ہوں۔ پلیز! مجھے ممبر شپ کارڈ روانہ کر دیا جائے۔ سمیرا زاہد، فاضل۔

بک کلب کی ممبر شپ کے لیے اپنا پورا پتا صاف صاف لکھیے۔

٭ جھنگ کی چڑیا، سنہرا تبل، احسان مند اور علم کی انتہا جہالت ہے اچھی کہانیاں تھیں۔ خالی پنجرہ، طاقت ور بے وقوف اور بڑا مجرم بھی بہت پسند آئیں۔ علم دریچے بیت بازی اور نونہال ادیب بھی اچھے سلسلے ہیں۔ اجنبی دوست، بلاعنوان کہانی بھی بہت بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ ہنسی گھر کا تو ہر لطیفہ مجھے بہت پسند آیا۔ احمد رضا عطاری، ملیر، کراچی۔

٭ جاگو جگاؤ، پہلی بات، روشن خیالات، نعت شریف، سنہرا تبل، علم دریچے، معلومات ہی معلومات، آپ کا خط اور خلیے، نونہال خبر نامہ، بیت بازی، ہنسی گھر، نونہال مصور، الباطروس، نونہال ادیب، آدھی ملاقات، نونہال لغت بہت بہت پسند آئیں۔ یومِ آزادی کے موقع پر پاکستان کا قومی ترانہ، آزادی، یہ پاکستان ہے پیارے، بے حد اچھی لگیں۔ نظمیں سب پسند آئیں۔ شیخ محمد حسن رضا عطاری، ملیر، کراچی۔

٭ اگست کا شمارہ بھی بہت خوب تھا۔ تمام کہانیاں دل چسپ تھیں۔ محمد ابوبکر آرائیں، خانیوال۔

٭ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی جب ہمدرد نونہال ہاتھ میں آیا تو دل جھوم اُٹھا اور جب یہ رسالہ سارے بہن بھائیوں کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا میرے ہاتھ میں آیا تو دو دن میں ہی پڑھ لیا۔ حفصہ عطاریہ، ملیر، کراچی۔

٭ اگست کا شمارہ بہت دل چسپ اور لاجواب تھا۔ میں یہ رسالہ کئی سالوں سے پڑھ رہی ہوں۔ انکل! جاسوسی کہانیاں بھی چھاپا کریں۔ میمونہ عطاریہ، حسان عطاری، ملیر، کراچی۔

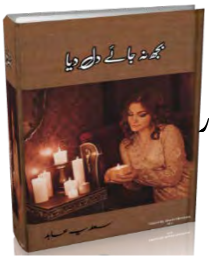
٭ مجھے آپ کے ادارے کی جانب سے نونہال اور میری کہانی پہلی بار چھپنے پر کتاب کا تحفہ ملا، جسے پا کر میں بے حد خوش ہوں اور آپ نے جو میری حوصلہ افزائی کی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ عائشہ زبیر، کراچی۔

٭ جولائی کے شمارے میں ناولٹ ''انکشاف'' (م۔ ص۔ ایمن) انتہائی دل چسپ تھا۔ ان کا اندازِ تحریر بہت عمدہ ہے۔ محمد شبیر، جگہ نامعلوم۔ ☆



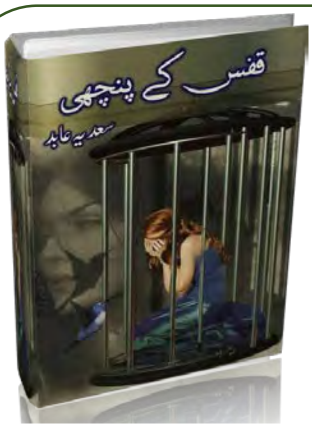
عہدِ وفا

ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا مُنفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔



بُجھ نہ جائے دِل دیا

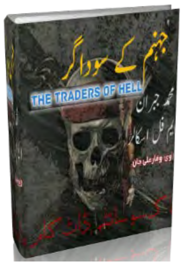
سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔



قفس کے پنچھی

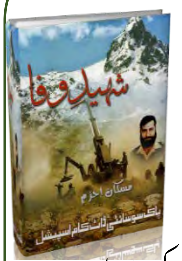
سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے جلد، **کتابی شکل** میں جلوہ افروز ہو رہا ہے۔

آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔



جہنم کے سوداگر

مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔



شہیدِ وفا

مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب و روز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھیئے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟

اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ **مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔**

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال اگست ۲۰۱۷ء میں جناب حسن ذکی کاظمی کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجے ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ کہاسنا معاف : سیدیشل علی اظہر، کراچی

۲۔ مصنوعی یادداشت : ماہین صباحت، لاہور

۳۔ مشینی آنکھ : جواد شاہد، اسلام آباد

﴿ چند اور اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں ﴾

مشینی دور۔ مشینی رابطہ۔ مشینی تعلق۔ یادداشت کا سفر

صورت شناس کیمرا۔ کمپیوٹر کا زمانہ۔ انوکھی ایجاد۔ سائنس کا کرشمہ

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: مصامص شمشاد غوری، طیب محمود، شیخ محمد حسن رضا عطاری، شہزاد شاہ شرافت، ارسلان شریف، اریبہ افروز، شاہ بشریٰ عالم، علینا اختر، سیدہ تسبیح محفوظ، محمد اسامہ رفیق، عظمیٰ شبیر احمد، عروبہ امین،، رقیہ خان نیازی، محمد بلال صدیقی، محمد ابراہیم فاروق صمد، رشنا جمال الدین، راد بشیر، اریبہ غطام محمد، محسن محمد اشرف، احسن

محمد اشرف، ایاز حیات، اعجاز حیات، نور حیات، جلال الدین اسد خان، فضل سلیمان خان، حسن علی، احتشام شاہ فیصل، محمد شاہد خان، عبدالتواب خان، بہادر، محمد زبیر، محمد وقاص، عاصم قریشی، محمد معین الدین غوری، اویس، کامران گل آفریدی، اختر حیات، عدینہ احمد، رضی اللہ خان، سمیع اللہ خان، مسکان فاطمہ، معیز الدین قریشی، سلیمان امتیاز، محمد عبدالحماض، محمد زایان، کومل فاطمہ اللہ بخش، ایمن عظیم، مریم بنت علی، مہوش حسن، سید عفان علی جاوید، سید صفوان علی جاوید، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، پرویز حسین، ☆ **کہروڑ پکا:** محمد ارسلان رضا ☆ **ڈیرہ غازی خان:** محمد اسد سمیع، رفیق احمد ناز ☆ **قصور:** آمنہ عبدالسلام، شازیہ ہاشم میواتی ☆ **واہ کینٹ:** مسفرہ امیر، محمد حذیفہ ☆ **سرگودھا:** سمیعہ عمر مغل، رابعہ ادریس، غلام بتول زاہد ☆ **سکھر:** محمد عشرت عبدالباری، عائشہ تزین ☆ **وہاڑی:** عائشہ شہباز، مومنہ ابوجی، احمد خلیل نقوی ☆ **حیدرآباد:** ماہ رخ، حیان مرزا، فلک بنت ندیم، عدینہ فلک شہاب، عائشہ ایمن عبداللہ، زرشت نعیم راؤ ☆ **راولپنڈی:** ہانیہ نور بٹ، فاطمہ احمد، ملک محمد احسن ☆ **میرپورخاص:** طوبیٰ شعیب شیخ، سکینہ سیال، فیروز احمد، جہاں زیب عبدالرؤف ☆ **تلہ گنگ:** طلحہ خباب علی، اسامہ خباب علی، محمد حسان عبداللہ ☆ **بہاول پور:** قرۃ العین عینی، صباحت گل، احمد ارسلان، ایمن نور ☆ **لاہور:** سارہ جاوید، امتیاز علی ناز، حافظہ انشراح خالد بٹ ☆ **بیلہ:** الیاس بشر ☆ **پشاور:** محمد حمدان ☆ **سانگھڑ:** محمد عاقب منصوری ☆ **ملتان:**

حذیفہ خان ☆ کبیر والا: سعد اشرف آرائیں ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ خانیوال: محمد طلحہ محمود ☆ سیالکوٹ: قاسم محمد ☆ بھکر: فرمان حیدر ☆ مظفر آباد: اصبح احمد ☆ کالا گجراں: سیماں کوثر ☆ علی پور: سلمان یوسف سمیجہ ☆ ٹامیوالی: محمد اُسامہ اکرم ☆ گوجرانوالہ: صفی اللہ قدیر ☆ ساہیوال: محمد صہیب ظفر ☆ شیخوپورہ: محمد احسان الحسن ☆ بے نظیر آباد: ایمن سعید خانزادہ ☆ ہری پور: حلیمہ صابر اعوان۔ ☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی؟

اس لیے کہ تحریر:

اس لیے کہ تحریر: ❁ دل چسپ نہیں تھی ❁ بامقصد نہیں تھی ❁ طویل تھی ❁ صحیح الفاظ میں نہیں تھی ❁ صاف صاف نہیں لکھی تھی ❁ پنسل سے لکھی تھی ❁ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی ❁ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی ❁ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا۔ ❁ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی ❁ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی ❁ پہلے کہیں چھپ چکی تھی۔ ❁ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں ❁ نصابی کتاب سے بھیجی تھی ❁ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحے پر لکھے تھے۔

یہ بھی یاد رکھیے:

❁ ہر تحریر کے نیچے نام پتا صاف صاف لکھا ہو ❁ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں [illegible] لکھیے ❁ تحریر بھیجنے سے پہلے یہ نہ پوچھیں کہ ''کیا یہ چھپ جائے گی؟'' ❁ مختصر صاف لکھی ہوئی [illegible] کی باری جلد آتی ہے ❁ [illegible] کسی بڑے سے اصلاح کر کے بھیجیے ❁ نونہال مصور کے لیے تصویر کم از کم کاپی سائز کے سفید موٹے کاغذ [illegible] گہرے رنگوں میں بنی ہو ❁ تصویر کے اوپر نام نہ لکھیے، بلکہ تصویر کے پیچھے لکھیے ❁ تصویر خانہ کے لیے بھیجی گئی تصویریں جب ماہرین مسترد کر دیتے ہیں تو وہ ضائع ہو جاتی ہیں۔ واپس منگوانا چاہتے ہوں تو پتا لکھا ہوا جوابی لفافہ ساتھ بھیجیے ❁ تصویر کے پیچھے بچے کا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے ❁ بیت بازی کا ہر شعر الگ کاغذ پر ٹھیک ٹھیک لکھ کر شاعر کا صحیح نام ضرور لکھیے ❁ ہنسی گھر کے لیے ہر لطیفہ الگ کاغذ پر لکھیے ❁ لطیفے گھسے پٹے نہ ہوں ❁ روشن خیالات کے لیے ہر قول الگ کاغذ پر لکھیے ❁ قول بہت مشکل نہ ہو ❁ علم دریچے کے لیے جہاں سے بھی کوئی ٹکڑا لیا ہو، اس کا حوالہ اور مصنف کا نام ضرور لکھیے ❁ تحریر کسی مخصوص فرقے، طبقے یا ملکی قانون کے خلاف نہ ہو ❁ طنزیہ اور مزاحیہ مضمون شائستہ ہو، کسی کا مذاق اُڑانے یا دل دکھانے والا نہ ہو ❁ نونہال قسط وار کہانی نہ بھیجیں ❁ تحریر کی نقل اپنے پاس رکھیے، تا کہ چھپنے کے بعد ملا کر دیکھ سکیں کہ تحریر میں کیا کیا تبدیلیاں کی گئی ہیں ❁ کتاب وغیرہ منگوانے کے لیے شعبہ مطبوعات ہمدرد کو علاحدہ خط لکھیں ❁ تحریریں ناقابلِ اشاعت ہونے پر ضائع کر دی جاتی ہیں ❁ تحریر، تصویر وغیرہ ارسال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو خط بھیجنے کا ہے ❁ کوپن اور کسی بھی تحریر پر صرف ایک نام لکھیے اور ہر کوپن الگ کاغذ پر چپکائیں ❁ اچھی تحریر لکھنے کے لیے زیادہ مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

نونہال لغت

بام	با م	چھت ۔ کوٹھا ۔ ایک قسم کی مچھلی جو سانپ جیسی لمبی ہوتی ہے ۔
گام	گا م	قدم ۔
حشم	حَ شَ م	نوکر چاکر ۔ ملازمین ۔
حریت	حُ رْ رِ یَ ت	آزادی ۔ غلامی کے بعد کی آزادی ۔
فروزاں	فُ رُو زا ں	روشن ۔
رائی	را ئی	ایک قسم کا سرسوں سے مشابہ اناج ۔ بہت تھوڑی مقدار ۔
پربت	پَ رْ بَ ت	پہاڑ ۔ کوہ ۔ جبل ۔ پہاڑی ۔
ظلمت	ظُ لْ مَ ت	اندھیرا ۔ تاریکی ۔ سیاہی ۔
خو	خُ و	عادت ۔ طبیعت ۔ خصلت ۔ ڈھنگ ۔ چلن ۔
فرط	فَ رْ ط	زیادہ ۔ بہت ۔ کثیر ۔
سرزنش	سَ رْ زَ نِ ش	ملامت ۔ جھڑکنا ۔ بُرا بھلا کہنا ۔
اعتدال	اِ عْ تِ دا ل	میانہ روی ۔ تناسب ۔ ٹھیک ۔ برابر ۔
پرستار	پَ رَ سْ تا ر	پجاری ۔ خدمت گار ۔ عاشق ۔ مرید ۔
عین مین	عَ ے نْ مَ ے ن	ہو بہو ۔ من وعن ۔ ویسا ہی ۔ ٹھیک ٹھیک ۔ وہی ۔
مکین	مَ کِی ن	مکان میں رہنے والا ۔ صاحب خانہ ۔
کمین گاہ	کَ مِی نْ گا ہ	گھات ۔ دشمن یا شکار کو مارنے کے لیے چھپ کر بیٹھنا ۔
ضابطہ	ضا بِ طہ	قاعدہ ۔ دستور ۔ قانون دستورالعمل ۔